POSTED AT NDPSO ON 10-11 DECEMBER 2000
U (C) 160/2000 TO POST WITHOUT PREPAYMENT
POSTAL REGN. NO. DL-11186/2000 R. NO. 2186/57

HAMARI ZABAN (WEEKLY)

ہفت روزہ

ہماری زبان

انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی

۱۵ر تا ۲۱ر دسمبر ۲۰۰۰ء (15-21 DECEMBER 2000)

شمارہ نمبر: ۴۷ جلد نمبر: ۵۹

پہلی قسط

دو ممتاز مولاناؤں کا دلچسپ ادبی معرکہ

('الہلال' ۱۹۱۳ء میں)

اکبر حیدری کشمیری

ہمدانیہ کالونی، بمنہ
سری نگر -- ۱۹۰۰۱۰

ابوالکلام آزاد اور عبدالماجد دریابادی گزشتہ صدی کے دو بڑے مستند ادیب، صاحبانِ طرزِ انشا پرداز اور اولی العزم صحافی تھے۔ موخرالذکر ۱۹۱۳ء میں ایک مستقل کتاب "علم النفس" پر لکھ رہے تھے۔ اس میں سے ایک مضمون "علم النفس کا ایک باب۔ حظ و کرب" کے عنوان سے آزاد نے 'الہلال' کی دو قسطوں (شمارہ ۱۸ر اور ۲۵ر جون ۱۹۱۳ء) میں شائع کیا۔ مضمون میں متعدد بار "حظ و کرب" استعمال ہوا۔ مثال میں پہلی قسط صفحہ ۸ میں "حظ و کرب" کے تحت عبدالماجد لکھتے ہیں:

"فطرت نے خود نفسِ انسانی میں ایک ایسی قوت ودیعت کر رکھی ہے جس کے باعث وہ فی الفور مضر کو مفید سے اور زہرِ ہلاہل کو آبِ حیات سے تمیز کر سکتا ہے۔ اور یہ وہ شے ہے جسے ہم حیاتِ نفسی میں احساس 'حظ و کرب' سے تعبیر کرتے ہیں"۔

مصنف نے مضمون کی دوسری قسط ۲۵ر جون والی (ص ۱۱) میں "احساسِ حظ و کرب" اور "جنسِ لذت و الم" کے الفاظ کی تشریح کر کے دونوں کے استعمال میں فرق کھولا۔

دوسری قسط کے اختتام (ص ۱۳، کالم ۱) میں آزاد نے عبدالماجد کی صحتِ زبان پر اعتراض کیا اور لکھا کہ "حظ و کرب" غلط اور "لذت و الم" درست ہے۔ آزاد کے الفاظ "الہلال" کے تحت یوں درج ہیں:

"یہ مضمون کتاب کا ایک ٹکڑا ہے اور امید ہے کہ اس کے اور ابواب بھی شائع ہوں۔ مسٹر عبدالماجد ان معدودے چند تعلیم یافتہ اربابِ علم میں سے ہیں، جن کو تصنیف و تالیف اور تراجمِ علمیہ سے ذوق ہے۔ ان ابواب کی اشاعت سے ان کا مقصود یہ ہے کہ طرزِ تحریر اور اسلوبِ بیان کے متعلق اگر اربابِ علم مشورہ دے سکیں تو قبل از اشاعت اس سے فائدہ اٹھائیں مگر مجھے اس میں شک ہے کہ لوگ اس طرح کے مضامین کو غور سے پڑھنے اور رائے دینے کی زحمت گوارا کریں گے۔ بالفعل صرف ایک امر کی طرف اشارہ کر دینا ضروری ہے۔ مضمون میں جابجا 'جنسِ لذت و الم' کو 'حظ و کرب' سے تعبیر کیا ہے اور اسی کو بصورتِ اصطلاح عنوان میں بھی جگہ دی ہے۔ لیکن اس کے لیے 'لذت و الم' ہی کے الفاظ زیادہ موزوں اور صحیح تھے۔ اول تو 'حظ' کے معنی لذت کے نہیں بلکہ حصے کے ہیں (الحظ: النصیب، جمع حظوظ) البتہ اردو اور شاید فارسی میں لذت کے لیے بولتے ہیں۔ لیکن باعتبارِ لغت غلط ہے۔ اور عربی میں تو اس معنی کا کہیں پتہ نہیں۔

پھر جب 'لذت' کا ایک لفظ پیشتر سے اس کے لیے موجود ہے اور عربی میں ٹھیک ٹھیک اسی مفہوم کو ادا کرتا ہے جو مباحثِ علم النفس میں آپ کا مقصود ہے تو دوسرا لفظ کیوں تلاش کیا جائے؟ اردو میں لذت کا لفظ اپنے اصلی معنی سے ہٹ گیا ہے اور مختلف موقعوں پر بولا جاتا ہے لیکن عربی میں یہ ہمیشہ 'الم' کے مقابلے میں لایا جاتا ہے اور لغت میں اس کی تعریف 'نقیض الالم' ہے۔

'کرب' اور 'الم' میں بھی فرق ہے، کرب صرف 'حزن' کے معنوں میں آتا ہے لیکن 'الم' میں اس سے زیادہ وسعت اور تعمیم ہے"۔

۶ر اگست ۱۹۱۳ء کے 'الہلال' (ص ۲، کالم ۲) کے شمارے میں آزاد نے پھر "حظ و کرب" کے اعتراض کا ساز چھیڑا۔ چناں چہ لکھتے ہیں:

"مسٹر عبدالماجد بی۔ اے کا خط کمپوز ہو چکا تھا اور چند سطریں اس کے متعلق پروف پر لکھ دینے کا خیال تھا کہ میں مسنوری چلا آیا۔ اور وہ بغیر جواب نکل گیا۔ اصطلاحاتِ علمیہ کے وضع و تراجم کا مسئلہ نہایت اہم ہے۔ میں عنقریب اس پر ایک مستقل مضمون لکھوں گا۔

مسٹر موصوف صحیح قائم مقام الفاظ کی تلاش میں حق بجانب ہیں، لیکن غالباً اس کے لیے صحت کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ میرا خیال دنیا کے عام خیال کے مطابق یہ ہے کہ کسی لفظ کا اس کے صحیح معنوں ہی میں استعمال ہونا چاہیے۔

میں سمجھتا ہوں کہ صحتِ الفاظ کا لحاظ رکھنے کی غلطی میری طرح ہمیشہ سے ہر زبان کے جاننے والے کرتے آئے ہیں۔ انھوں نے لکھا ہے کہ اصطلاحات کے لیے 'لذت و الم' کافی نہیں اور اس کے وجوہ لکھے ہیں۔ لیکن میں انھیں یقین دلاتا ہوں کہ عربی زبان و علوم میں 'لذت و الم' بعینہ اسی پہلو کو ادا کرتا ہوا مستعمل ہے جس کے وہ متلاشی ہیں۔ اگر وہ عربی میں فلسفہ و کلام کے معمولی مباحث پر نظر ڈالیں تو ان پر واضح ہو جائے گا۔

رہا 'حظ' کا لفظ تو قطع نظر اس کے کہ وہ لذت سے زیادہ ادائے مفہوم کے لیے مفید ہے بھی یا نہیں؟ سب سے پہلی بحث یہ ہے کہ جس معنی کے لیے جو لفظ سرے سے غلط ہی ہو، اس کے متعلق چنیں و چناں کا موقع ہی کب باقی رہتا ہے؟ میں نے اپنے نوٹ میں اختلاف کو قوت کو احتیاطاً و بخیالِ حفظِ ادابِ تحریر کسی قدر ضعیف کر دیا تھا اور صرف اتنا لکھ دیا تھا کہ:

'اردو اور شاید فارسی میں غلطی سے حظ بمعنی لذت بولا جاتا ہے' لیکن اب میں مسٹر موصوف کو یقین دلاتا ہوں کہ فارسی میں کبھی کوئی پڑھا لکھا آدمی 'حظ' کو 'لذت' کے معنی میں بولنے کی افسوس ناک غلطی نہیں کر سکتا۔ 'حظ' فارسی میں بھی ہمیشہ حصہ اور نصیب کے معنی میں بولا جاتا ہے۔ غالب

[illegible]

رہا اردو میں بولنا، تو مسٹر موصوف مثنوی زہرِ عشق یا فریادِ داغ نہیں لکھ رہے ہیں بلکہ علم النفس کی ایک کتاب کا ترجمہ کر رہے ہیں۔ اگر عوام و جہلا حظ کو لذت کے معنی میں بولتے ہیں اور ان کے تتبع میں گاہ گاہ پڑھے لکھے آدمیوں کی زبان سے بھی 'محظوظ' نکل جاتا ہے تو کسی علمی تحریر کے لیے اس کی سند نہیں ہو سکتی۔

فرہنگِ آصفیہ کا حوالہ دینے پر افسوس کرتا ہوں اور کیا عرض کروں۔ لوگوں نے غلط العام اور غلط عوام کی تفریق کی ہے۔ اس کے لحاظ سے بھی، دیکھیے تو حظ اس معنی میں محض عوام کی غلطی ہے۔ یہ نکتہ یاد رکھنا چاہیے کہ اردو اور فارسی اپنے علمی لٹریچر میں محض لغتِ عربی کے تابع ہیں۔ کوئی مستقل زبان نہیں رکھتے۔ بس عام بول چال اور محاورہ کی سند اشعار میں معتبر ہے، نہ کہ اردو کی ادبیاتِ علمیہ میں۔

(بقیہ صفحہ ۹ پر)

دوسری اور آخری قسط

دیوانِ غالب

نسخۂ خواجہ یا نسخۂ لاہور

گیان چند جین (کیلی فورنیا، امریکہ)

دونوں مہروں سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ نسخۂ خواجہ لائبریری کا گم شدہ نسخۂ لاہور ہی ہے۔ قاضی صاحب نے روٹوگراف ۱۹۵۷ء یا ۱۹۵۸ء میں حاصل کیا۔ اس کے بعد کسی نے مخطوطے کو لائبریری سے اڑالیا۔ دونوں مہروں کی جگہ کھرچی، آخری مہر کی جگہ تیغ وین کی چٹی لگائی۔ میری رائے میں تیغ وین وجود خارجی سے محروم ہے۔

اب سوال آتا ہے نسخۂ ڈاکٹر عبداللہ کا۔ اشعار کے شمار میں غلطی ممکن ہے۔ آپ کسی دیوان کے اشعار ایک بار گن جائیے۔ اس کے بعد دوبارہ گنیے۔ زیادہ تر امکان ہے کہ دونوں بار تعداد مختلف نکلے گی۔ ہاں ہر صفحے کی میزان الگ کاغذ پر لکھ کر جوڑی جائے یا گنتے وقت ہر سیکڑہ پورا ہونے پر پنسل سے متعلقہ شعر کے برابر لکھ دیا جائے تو دو دفعہ کے شمار سے صحیح تعداد معلوم ہو سکے گی۔ ڈاکٹر عبداللہ کے نسخے کا معاملہ بہت الجھا ہوا ہے۔

اس میں دو غزلیں ع

تکرار کیا کریں

اور ع

رستہ کوئی ان اور

کیوں نہ شامل کیں، میں ان کی توجیہ نہیں کر سکتا۔ میں نے ڈاکٹر عبداللہ کا اصل مضمون نہیں دیکھا۔ تحسین کے کتابچے میں ص ۹۱ اور ۹۲ پر ڈاکٹر عبداللہ کے نسخے کے جن دو صفحوں کا عکس ہے وہ تو یہی کہتا ہے کہ یہ نسخۂ لاہور سے جدا نہیں۔ غالب کی زندگی کے دیوان کے مرتبہ نسخے سڑکوں میں بکھرے ہوئے نہیں کہ لائبریری میں دو دو نسخے ہوں اور لائبریری کے کاغذات میں صرف ایک کو چڑھایا گیا ہو۔ ایسا کوئی شخص نہیں جس نے وہاں دو نسخے دیکھے ہوں۔ لائبریری کے Accession رجسٹر میں دیوان کے جتنے نسخے چڑھے ہوں گے، اتنے ہی وہاں رہے ہوں گے۔ اگر صرف ایک نسخہ چڑھا ہے تو دو کے ہونے کا امکان نہیں۔

دیوان میں ھ کی ردیف میں تین اشعار ہیں۔ عرشی صاحب نے نسخۂ لاہور میں غزلوں کے اشعار کی جو تعداد دی ہے وہ نسخۂ عرشی طبع اول میں ھ کے آگے سہواً دو لکھی ہے اور اسی لیے میزان ۱۵۳۷ دی ہے جو صحیح ہے۔ نسخۂ عرشی طبع دوم میں ھ کے اشعار کی تعداد صحیح کر کے تین لکھی ہے لیکن جملہ اشعار کی میزان اب بھی ۱۵۳۷ دی ہے جو کہ ۱۵۳۸ ہونی چاہیے۔

اب مختصراً تحسین فراقی کے نسخے کی کچھ اور باتیں۔ اس میں ص ۲۰ تا ۲۲ پر جو داستانی عنصر ہے اسے پڑھ کر افسوس ہوتا ہے۔ انھوں نے ص ۲۷ اور اس کے آگے نسخۂ خواجہ مطبوعہ کی جن اغلاط کی فہرست دی ہے اس میں انھوں نے بہت محنت کی ہے لیکن زیادہ تر ایسی ہیں جو اعراب و علامات سے متعلق ہیں اور سہو کتابت ہو سکتی ہیں۔ ص ۳۳ سے ۳۶ تک انھوں نے اوقاف کے بارے میں جو لکھا ہے اس کے بیشتر حصے سے اتفاق کرتا ہوں گا۔ انھوں نے مرتب کے ناموزوں طبع ہونے کے بارے میں ص ۲۹، ۳۰ کے فٹ نوٹ میں جو دو مثالیں دی ہیں ان میں اگر سہو کتابت کا دخل نہیں تو معترض کا دعویٰ ثابت کرتی ہیں۔ ص ۳۰ سے ص ۳۲ تک دیوان میں ناموزوں مصرعوں کی جو فہرست دی ہے ان میں سے بیشتر کا تعلق اوقاف یا ہمزہ یا آخری نون کے نقطے سے ہے جو کتابت و طباعت کی غلطی ہو سکتی ہے لیکن ذیل کے مصرع یقیناً غیر موزوں ہیں

محرم نہیں ہے تو ہی نواہائے راز کا — ص ۳۰۶
کہتے ہو تب کرنے کہاں ہوتے — ص ۳۰۹
ہاں ہے تو ہم نہیں ان کا ہم — ص ۳۱۰
ہم بھی کہیں نہ تماشائی ان ہوں — ص ۳۱۶

تحسین نے ص ۲۸ کے حاشیے میں ذیل کے شعر کے متن کی طرف توجہ دلائی:

گریہ نکالے ہے تیری بزم سے مجھ
ہائے کہ رونے پہ اختیار نہیں ہے
مخطوطہ ص ۹۷

مخطوطے میں "تیری" ہے لیکن مرتب نے اپنی نستعلیق کتابت میں نسخۂ عرشی کی تقلید میں "تری" لکھا ہے جس سے مصرع وزن سے خارج ہو گیا ہے۔ یہ مشاہدہ غیر معمولی عروض داں ہی کر سکتا تھا۔ اس غزل کا وزن ہے

منسرح مثمن مطوی منحور یا مجدوع
مفتعلن فاعلات مفتعلن فع یا فاع

اس وزن میں فاعلات کے بعد وقفہ رکھا جائے تبھی مصرع موزوں سنائی دے گا مثلاً اسی غزل کا ع

کوئی نہیں آس پاس خوف نہیں کچھ

غالب نے فاعلات کی ت کو متحرک مان کر اگلے رکن کے شروع میں ملا دیا جس سے وزن مستقیم ہو گیا۔ اس قباحت کے باوجود یہ شناخت کرنا کہ مصرع 'تیری' سے موزوں اور 'تری' سے غیر موزوں ہو جاتا ہے، تحسین کی مہارت عروض پر تحسین کا طالب ہے۔

مرتب نے دائیں صفحے پر مخطوطے کا عکس اور بائیں صفحے پر نستعلیق قرأت دی ہے۔ بڑی حیرت کی بات ہے کہ انھوں نے جابجا اسے صحیح کر کے دی ہے جو نسخۂ متن کے ساتھ وفاداری نہیں۔ تحسین نے ص ۲۷ پر ایسی کچھ مثالیں دی ہیں۔ ان کا یہ مشاہدہ بھی صحیح ہے کہ مرتب نے دیوان کے آخری حصے میں نثر مقفیٰ کے تین عنوانات کو ـــ لکھا ہے۔ معین الرحمٰن نے اپنے جوابی کتابچے میں توجیہ پیش کی ہے کہ وہ نیم منظوم لکھنا چاہتے تھے لیکن اس میں 'نیم' چھوٹ گیا (ص ۳۱-۳۰)۔ قاضی عبدالودود نے ایک اصول قائم کیا ہے "کبھی کسی بات کی خواہ اپنی ہو یا دوسرے کی، غلط تاویل نہ کی جائے۔ اپنی غلطی کی خواہ مخواہ تخفیف کی کوشش فائدہ مند نہیں"۔ (مضمون "غالب ـ زبان پہلوان" رسالہ اردو کراچی، جنوری مارچ ۱۹۷۰ء، باز طباعت مجموعہ کچھ غالب کے بارے میں، حصہ دوم، پٹنہ ۱۹۹۵ء، ص ۳۰۳)۔

مرتب نے غالب کے دیباچے اور [illegible] کی فارسی تقریظ کا جو اردو ترجمہ پیش کیا ہے وہ بجا طور پر قابل فخر ہے۔ تحسین فراقی نے فارسی متن کی قرأت اور اردو ترجمے میں جو تصحیحات تجویز کی ہیں وہ بھی اسی طرح مایۂ فخر ہیں۔ اس سے مجھے یہ تذبذب ہو گیا ہے کہ تحسین شعبۂ اردو کے استاد ہیں یا شعبۂ فارسی کے؟ انھوں نے نسخۂ خواجہ سے پیشتر ان نثروں کے ترجموں کی جو تفصیلی نشان دہی کی ہے وہ کم از کم میری معلومات میں اضافہ ہے۔

اب 'نسخۂ خواجہ ـ تجزیہ و تحسین' کے مضامین کے بعض قابل ذکر بیانات پر میرے مشاہدات:

ڈاکٹر حنیف نقوی نے ص ۳۸ پر کہا ہے کہ ان کے نزدیک مولانا عرشی، قاضی عبدالودود اور ڈاکٹر عبداللہ کا نسخۂ لاہور اور یہ نسخہ مختلف نہیں۔ ص ۳۹ پر انھوں نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ وہ نسخہ ہو سکتا ہے جو غالب نے مہاراجہ جے پور کے لیے پیش کش کے لائق جلد اور نظر فریب جزدان میں بھیجا تھا۔ معین نے دونوں باتوں کی تردید کی۔ چوں کہ یہ نسخہ نہ مجلد ہے نہ کسی جزدان میں ہے اس لیے یہ جے پور والا نسخہ نہیں ہو سکتا۔ مجھے معین الرحمٰن کی پہلی تردید سے اتفاق نہیں، آخرالذکر سے ہے۔ ڈاکٹر نیر مسعود نے کہا کہ فسانۂ عجائب کا ۱۲۵۹ھ والا پہلا ایڈیشن ان کے کتب خانے میں موجود ہے (ص ۵۱)۔ رشید حسن خاں کی رائے میں یہ نسخہ عین مین نسخۂ لاہور معلوم ہوتا ہے (ص ۵۵)۔ ڈاکٹر معین نے ص ۵۶ کے فٹ نوٹ میں اپنے مرتبہ ایڈیشن کی بعض اغلاط کی تصحیح کی۔ تصحیح کے لیے یہ مقام غیر مناسب ہے۔ غلط نامہ مرتبہ دیوان ہی میں ہونا چاہیے تھا۔ معین ایک بار پھر کہتے ہیں کہ ان کو احساس ہے کہ پنجاب یونیورسٹی (لاہور) میں اردو دیوان غالب کے دو قلمی نسخے رہے ہیں ایک وہ جسے عرشی صاحب نے دیکھا، دوسرا وہ جسے ڈاکٹر عبداللہ نے دیکھا (ص ۵۶)۔

رشید حسن خاں نے ایک اہم بات یہ کہی کہ اسے نسخۂ خواجہ کہنے کا جواز نہیں (ص ۵۹)۔ میری پختہ رائے یہ ہے کہ نہ صرف اس کا جواز نہیں بلکہ یہ سخت قابل اعتراض ہے۔ اس نسخے کا خواجہ منظور حسین سے کوئی تعلق نہیں۔ انھوں نے اسے شاید دیکھا بھی نہیں۔ وہ ماہر غالبیات نہیں تھے۔ معین صاحب کی ان سے عقیدت سر آنکھوں پر لیکن وہ اپنے کام کو دوسرے کے نام کیوں کر کر سکتے ہیں۔ اگر وہ اپنے دولت خانے کا نام "خواجہ منظور حسین منزل" رکھ دیں تو اس سے ان کا مکان تلاش کرنے والوں کو مغالطے میں ڈالنے کے سوا اور کیا ہوگا۔ اگر اپنی تدوین کو کسی غیر متعلق شخص کا نسخہ قرار دیا جا سکتا ہے تو اس کا غلط استعمال کیا جا سکتا ہے۔ کوئی ضرورت مند اپنی تدوین کو کسی صدر شعبہ، وائس چانسلر، وزیر یا کسی اور صاحب اقتدار کا نسخہ کہہ سکتا ہے، اس توقع پر کہ اس سعادت نمائی سے اس کو کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ کوئی لالچی صدر شعبہ اپنے خردوں اور شاگردوں کے تدوینی کاموں کو اس کے نام سے وابستہ کرنے اور اس کا مناسب صلہ پانے کا اشارہ کر سکتا ہے۔ مرکزی یونیورسٹی حیدرآباد دکن میں میرے ایک شاگرد نے میری نگرانی میں رحمان لکھنوی کی مثنوی باغ بہار (گل بکاولی) مرتب کی، دہلی یونیورسٹی میں ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی کی نگرانی میں رتا سی کی فرنچ تاریخ ادب ہندوی و ہندوستانی کا اردو ترجمہ کیا۔ یہ حضرات عقیدت سے مغلوب ہو کر اپنے کاموں کو نسخۂ گیان چند یا نسخۂ خواجہ احمد فاروقی کہنے کو مصر ہوتے تو کیا اس کی تہ میں کوئی اور مقصد نہ ہوتا۔ ظاہر ہے ڈاکٹر معین الرحمٰن کا اقدام بے لوث تھا لیکن یہ ایک غلط مثال قائم کرتا ہے۔

معین صاحب نے کالی داس گپتا رضا کے نام کے خط میں لکھا ہے کہ ایک خوش ذوق شخص انھیں ۱۹۸۵ء میں اس نسخے کے لیے اسی ہزار روپے کی پیش کش کر رہے تھے۔ اس زمانے میں معین کو اپنے گھر کی تعمیر کے لیے

روپے کی ضرورت بھی تھی لیکن پھر بات رہ گئی (ص ۶۳، مکتوب مورخہ ۱۱ر اکتوبر ۱۹۹۶ء)۔ اس کے بعد انھوں نے اس نسخے کو پنجاب یونیورسٹی کو ہدیتہً پیش کر دیا۔ ۱۹۸۵ء کے اسی ہزار روپے آج کے تین چار لاکھ کے برابر ہوں گے۔ میں معین صاحب کے اس غیر معمولی ایثار کی قدر کرتا ہوں اور توقع کرتا ہوں کہ حضرت حسین بھی کم سے کم اس علم دوستی کی داد دیں گے۔ اگلے صفحے پر معین صاحب کہتے ہیں کہ شاید ہی غالب کی زندگی کے کسی مخطوطے کی ایسی جمیل و مکمل اشاعت ہوئی ہو گی (ص ۶۵)۔

میرا خیال ہے کہ نسخہ عرشی زادہ بھی بہت دیدہ زیب ہے۔ نقوش کی بیاض غالب بھی اچھی خاصی ہے۔ ڈاکٹر سلطانہ بخش نے اپنے مفصل مقالے میں بجا کہا ہے کہ مرتب نے متن میں کسی لفظ کے اضافے کو واضح لکیروں کے بیچ نہیں لکھا (ص ۱۵۱)۔ خود انھوں نے اس صفحے پر اشعار کے حوالے میں کہیں مخطوطے کے صفحے کا، کہیں مطبوعہ اڈیشن کے صفحے کا حوالہ دیا ہے۔ اول الذکر عدد شمار صفحے کے اوپری حصے میں اور آخر الذکر صفحے کے نچلے حصے میں درج ہے۔

انتظار حسین نے لکھا ہے "پہلا مخطوطہ جو اب نسخہ حمیدیہ کے نام سے جانا جاتا ہے، (ص ۵۷)۔ وہ انجانے میں ایک غلطی کے مرتکب ہوئے ہیں۔ نسخہ حمیدیہ مفتی انوار الحق کے اس مطبوعہ اڈیشن کا نام ہے جس میں غالب کا منسوخ اور متداول دونوں طرح کا پورا کلام شامل ہے۔ مخطوطہ بھوپال میں صرف ۱۸۲۱ء تک کا کلام تھا۔ ص ۲۳۹ پر سیف اللہ خالد نے لکھا ہے کہ سرسید نے نیر کی تقریظ کو اردو کا لباس پہنایا۔ معین الرحمن حاشیہ لگاتے ہیں کہ یہ کام سرسید نے نہیں کیا تھا، فیاض محمود اور اقبال حسین کی سعی ہے۔ تحسین فراقی کی رائے میں یہ وزیر الحسن عابدی کا کام ہے (اصل حقائق، ص ۵۰-۴۹)۔ ڈاکٹر ظہور احمد اعوان نے لکھا ہے کہ نئے دریافت شدہ نسخے کو پہلے نسخہ امروہہ اور پھر نسخہ عرشی زادہ کا نام دیا گیا (ص ۲۹۳)۔ انھوں نے ترتیب الٹ دی ہے۔ نسخہ عرشی زادہ ستمبر ۱۹۶۹ء میں شائع ہوا، نقوش کا اڈیشن کئی ماہ بعد۔ پھر نسخہ عرشی زادہ مطبوعہ اڈیشن کا نام تھا، مخطوطے کا نہیں۔

معین الرحمن کا کتابچہ "بیچ"

صورت حال "ان کے دلی کرب اور صدمے کا آئینہ دار ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ فریقین کو ذاتیاتی امور میں الجھنا پڑا۔ معین صاحب نے اپنے کتابچے میں مشفق خواجہ کا ایک بیان نقل کیا ہے کہ ایک صاحب ہیں جن کا کام ہی یہ ہے کہ دوستوں میں نفاق پیدا کرنے کی کوشش میں مصروف رہتے ہیں (ص ۱۲)۔ شخص مذکور کا نام نہیں دیا۔ اس سے مجھے گمان ہوا کہ شخصیت مزعومہ تحسین فراقی ہیں۔ میں نے مشفق خواجہ سے وضاحت چاہی۔ انھوں نے بتایا کہ یہ تحسین نہیں، کوئی اور ہے۔ کتابچے میں معین صاحب نے معترض کے اعتراضات کے جو جواب دیے ہیں وہ کہیں قائل کرتے ہیں تو بعض اوقات عذر لنگ معلوم ہوتے ہیں۔

انھوں نے ص ۲۸ پر آخری پیراگراف میں "نسخہ خواجہ" مخطوطے کے لیے بھی استعمال کیا ہے اور مطبوعہ کے لیے بھی۔ وہ اپنے مطبوعہ اڈیشن کو کوئی بھی نام دیں لیکن مخطوطے کو صرف نسخہ لاہور یا نسخہ ۱۸۵۲ء کہہ کر ہی اس کی شناخت کی جا سکتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں "ممکن ہے یہ مخطوطہ کبھی کسی فتح دین نامی شخص کی ملکیت رہا ہو" (ص ۲۹)۔ اس قیاس کی کوئی گنجائش نہیں۔ جب قاضی عبدالودود نے ۵۸-۱۹۵۷ء میں نسخے کا روٹو گراف لیا تب تک آخری صفحے پر لائبریری کے نمبر داخلہ کی مہر سلامت تھی۔ فتح دین کی چٹی اس کے بعد ہی چپکائی گئی ہے، اس لیے میری رائے میں یہ فرضی نام ہے۔ کتابچے کے آخر میں تین وضاحتی ضمیمے ہیں۔ ان کی ضرورت پڑی یہ موجب افسوس ہے۔ دراصل دونوں کتابچوں کو پڑھنے کے بعد دکھ اور اداسی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا۔

اب میں معین الرحمن کی تدوین کے بارے میں کچھ عرض کرتا ہوں۔ دراصل اس موضوع پر سب سے پہلے لکھنا چاہیے تھا لیکن میں نے دوسری کتابوں کو اس لیے پہلے لیا تاکہ نسخے کے کئی پہلو زیر بحث آ جائیں تو تدوین کے سلسلے میں تکرار نہ کرنی پڑے۔

مطبوعہ اڈیشن کے حرفے چند میں لکھتے ہیں کہ ان کے پاس فسانۂ عجائب طبع اول ہے جو فسانۂ عجائب پر کام کرنے والوں کو بھی نہ مل سکا (حاشیہ ص ۵)۔ حقیقت یہ ہے کہ میں نے ۱۹۶۲ء یا ۱۹۶۳ء میں رضا لائبریری رامپور میں یہ اڈیشن دیکھا تھا۔ نثری داستانیں طبع دوم کے ص ۳۴۰ پر اطلاع دی ہے کہ یہ ڈاکٹر محمود الٰہی کو بھی مل گیا۔ نیز مسعود کے ذاتی کتب خانے میں اس کے ہونے کا ذکر پہلے آ چکا ہے اور رشید حسن خاں کے بارے میں مرتب خود ہی لکھ چکے ہیں کہ ان کے پاس ہے۔ یہ چار نسخے ہوئے جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ نایاب نہیں۔ حرفے چند کے آخر میں کوئی تاریخ درج نہیں لیکن یہی تحریر "تجزیہ و تحسین" میں بھی شامل ہے جہاں اس پر ۲۳ر مارچ ۱۹۹۷ء درج ہے (دیکھیے اس کا ص ۱۹۰)۔

ابتدا میں انھوں نے مخطوطے کے چار صفحوں کا جو رنگین فوٹو دیا ہے اس سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ دیوان غالب کے جتنے نسخے ابھی تک افشا کیے گئے تھے ان میں سے کوئی بھی اتنا مرتب و مذہب نہیں۔ اس کے شروع میں مخطوطے کے تعارف میں، جو دراصل مقدمہ ہے، مرتب نے تمام ضروری معلومات فراہم کر دی ہیں لیکن وہ جو بار بار مخطوطے کو نسخہ خواجہ کہتے ہیں اس سے مجھے دھچکا لگا ہے (ص ۱۵، ۲۰، ۳۱۶، ۳۲۲ وغیرہ)۔ مثلاً لکھتے ہیں "نسخہ خواجہ میں غالب کے اپنے قلم سے جو ترمیم یا تنسیخ ہوئی ہے" (ص ۲۰)۔ غالب نے خواب میں بھی نہ سوچا ہو گا کہ وہ جس نسخے میں تصحیح کر رہے ہیں وہ نسخہ غالب نہیں، نسخہ خواجہ ہے۔ کون سا خواجہ، خواجہ نظام الدین اولیا یا خواجہ میر درد؟

مقدمے کے مختلف اجزا کے، مثلاً غالب کے قلم کی اصلاحوں کی تفصیل، بچی ہوئی اغلاط کا مفصل بیان، لکھنے میں فاضل مرتب نے بہت محنت کی ہے۔ انھوں نے عرشی، قاضی اور ڈاکٹر عبداللہ کے بیانات کو نقل کر کے قاری کے لیے بہت سہولت بہم پہنچا دی ہے۔ اس میں ان کی کوشش یہ معلوم ہوتی ہے کہ اپنے نسخے کو بقیہ تینوں کے بیان کردہ نسخے سے الگ ثابت کریں جس کے لیے وہ ہر تنکے کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہیں۔ آخری فصل میں انھوں نے دکھایا ہے کہ مئی ۱۸۴۷ء (دیوان غالب طبع دوم) اور اگست ۱۸۵۲ء (موجودہ نسخہ) کے درمیان غالب کی کون کون سی غزلیں اور دوسرے اشعار وجود میں آئے۔ اس طرح جہاں تک میرا سوال ہے، مقدمہ تحقیقی اعتبار سے تشفی بخش ہے۔

آگے متن دیا ہے جس میں داہنے صفحے پر مخطوطے کا عکس اور بائیں صفحے پر نستعلیق قرأت ہے۔ اس میں انھوں نے ایک بڑی بھول یہ کی ہے کہ قرأت مخطوطے کی عکاس نہیں، وہ معین صاحب کے تصحیح شدہ متن کو پیش کرتی ہے۔ مثلاً دیوان کے ص ۹ کے آخری شعر میں "باغ نسیاں کا" ہے جب کہ نستعلیق شکل میں "طاق نسیاں کا" دیا ہے۔ قرأت کے بارے میں مزید کچھ تحسین فراقی اور سلطانہ بخش لکھ چکے ہیں۔ تدوین کی دوسری اس سے بھی بڑی کمی یہ ہے کہ اس میں اختلاف نسخ نہیں دیے۔ کم سے کم زیر بحث نسخے سے فوراً ما قبل اور مابعد کے خطی و مطبوعہ متون اور اس نسخے کے اختلافات دینے ضروری تھے۔ اپنی قرأت میں جہاں جہاں انھوں نے متن مخطوطہ سے اختلاف کیا ہے وہ بھی اختلاف متن میں ظاہر کر دیا جاتا۔ تیسری کمی یہ دکھائی دیتی ہے کہ غزلوں اور دوسری اصناف کی نظموں کو تلاش کرنے کا کوئی طریقہ نہیں اپنایا، خواہ شروع میں مصرعوں کی فہرست دیتے یا آخر میں عرشی صاحب کی طرح مختلف اشاریے بناتے۔ فی الوقت کسی غزل یا مخصوص شعر کو نسخے میں تلاش کرنا بہت وقت طلب ہے۔

کالی داس گپتا رضا کے کام کے بعد کلام کی توقیت کی چنداں ضرورت نہ تھی۔ صنف وار توقیت دینا، توقیت کے مقصد کے خلاف ہے مثلاً ۱۸۴۷ء اور ۱۸۵۲ء کے بیچ کی غزلوں کے بعد ۱۸۲۱ء تک کے قصیدے یا ۱۸۱۶ء تک کی رباعیاں درج کی گئیں تو یہ تاریخی ترتیب کہاں رہی۔ اس کے بعد توضیحات و تعلیقات کے عنوان کے تحت ص ۳۱۳ سے ۳۳۸ تک جو کچھ دیا ہے یہ دراصل وہی ہے جسے تحقیق کی اصطلاح میں حواشی کہا جاتا ہے۔ انھیں حواشی کی طرح لکھتے تو بہتر ہوتا۔ یہ نفس معلومات کا گنجینہ ہے۔ مجھے اس کے بارے میں چند مشاہدات پیش کرنے ہیں:

۱۔ ان حواشی میں بعضوں میں کسی غزل یا شعر کا زمانہ طے کیا ہے لیکن اس دریافت کو توقیت میں نہیں سمویا گیا۔ ویسا کرتے تو توقیت میں اور جزئیاتی صحت آ جاتی۔

۲۔ ص ۳۲۱ "سہ نثر ظہوری (دیباچہ گلزار ابراہیم)" یہ ص ۹۰ کے شعر کے تحت لکھا ہے۔ مرتب کا بڑا سہو ہے۔ سہ نثر ظہوری کی ایک نثر ابراہیم عادل شاہ ثانی کی کتاب نورس مصنفہ ۱۰۰۶ھ/ ۹۸-۱۵۹۷ء کا دیباچہ تھی۔ تذکرہ گلزار ابراہیم ۱۱۹۸ھ/ ۸۴-۱۷۸۳ء کی تصنیف ہے۔

۳۔ ص ۳۲۴۔ ص ۵۸ پر مصرع لکھا ہے ؎

واں پہنچ کر جو غش آتا پئے ہم ہے ہم کو

رشید حسن خاں نے اپنی کتاب "تدوین، تحقیق، روایت" میں لکھا ہے کہ پے ہم کوئی لفظ نہیں۔ یہ پیہم کی بگڑی ہوئی صورت ہے۔ وزن کے رکن فعلاتن پر تسکین اوسط کا زحاف لگا کر مفعولن بنایا ہے (دہلی ۱۹۹۰ء، حاشیہ ص ۱۳۹)۔ میں خاں صاحب کے قول سے متفق ہوں لیکن یہ کہوں گا کہ تسکین اوسط کے زحاف نے مصرع کو کم شگفتہ، غیر مترنم اور بدنما بنا دیا ہے۔

۴۔ ص ۳۲۹۔ غزل جاں کے لیے، آسماں کے لیے، پر حاشیہ دیتے ہیں کہ یہ غزل نواب اصغر علی خاں نسیم کے مشاعرے میں پڑھی گئی تھی۔ ایسا ہی آزاد نے آب حیات میں لکھا ہے۔ قاضی عبدالودود کی تحقیق ہے کہ آزاد کے حافظے نے دھوکا دیا۔ یہ مشاعرہ مومن کے ایک اور شاگرد اصغر علی خاں اصغر رامپوری کا ہو گا کیوں کہ دیباچہ دیوان نسیم مرتبہ تسلیم شاگرد نسیم میں صراحتاً لکھا ہے کہ نسیم ۱۲۴۴ھ میں دہلی سے لکھنؤ چلے گئے تھے۔ نسیم کا مشاعرہ ۱۲۴۴ھ (۲۹-۱۸۲۸ء) کے بعد نہیں ہو سکتا تھا (اردو میں ادبی تحقیق کے بارے میں، پٹنہ ۱۹۹۵ء، ص ۴۳)۔ گپتا رضا نے بھی مجھے لکھ کر اپنے مرتبہ دیوان کے ص ۳۸۸ پر یہی تصحیح کر دی۔ معین صاحب نے اس حاشیے میں تجمل حسین خاں کے بارے میں اچھی تحقیق کر کے مفید معلومات بہم پہنچائی ہیں۔

۵۔ ص ۳۳۱۔ "یہ قصیدہ نسخہ حمیدیہ (۱۸۲۱ء) کے متن میں شامل ہے"۔ بھائی میرے، نسخہ حمیدیہ ۱۸۲۱ء میں نہیں، ۱۹۲۱ء میں آیا۔ اس مطبوعہ اڈیشن میں محض ۱۸۲۱ء تک کا کلام نہیں، غالب کا تقریباً تمام کلام شامل ہے۔ ۱۸۲۱ء کے خطی دیوان کو نسخہ حمیدیہ نہیں کہہ سکتے جس طرح ۱۸۵۲ء کے دیوان کو نسخہ خواجہ کہنا غلط ہے۔

۶۔ ص ۳۳۲۔ یہاں بھی ص ۱۱۹ کے دو مقفیٰ نثری عنوانات کو شعر کی طرح لکھا ہے۔

حواشی کے بعد فارسی دیباچے اور خاتمے کا اردو ترجمہ ہے جس کی داد ڈاکٹر نذیر احمد اور ڈاکٹر نیر مسعود جیسے علمائے فارسی دے چکے ہیں۔ اس کے بعد میرے مزید کچھ کہنے کی گنجائش ہی نہیں۔ پروفیسر نذیر احمد تو ڈاکٹر معین الرحمن کی مہارت فارسی سے اتنے متاثر ہوئے کہ لکھتے ہیں:

"آپ نے "دستنبو" پر کام کیا ہے، اس مناسبت سے اگر آپ

(بقیہ صفحہ ۷ پر)

اردو دنیا

انجمن ترقی اردو رائے پور کے زیر اہتمام چھتیس گڑھ اردو کانفرنس

رائے پور (ڈاک سے) ١٥ اکتوبر ٢٠٠٠ء کو مدرسہ اصلاح المسلمین بیجنا تھ پارہ، رائے پور (چھتیس گڑھ) میں انجمن ترقی اردو رائے پور کے زیر اہتمام چھتیس گڑھ اردو کانفرنس کا انعقاد کیا گیا جس میں ڈاکٹر خلیق انجم، ڈاکٹر اسلم پرویز، پروفیسر آفاق احمد اور چھتیس گڑھ کے اردو داں شعرا حضرات نے شرکت کی۔ کانفرنس کی صدارت ڈاکٹر خلیق انجم نے کی۔

چھتیس گڑھ اردو کانفرنس میں اردو داں حضرات نے اپنی اپنی رائے پیش کی اور چھتیس گڑھ میں اردو کی ترقی کے لیے زور دیا اور اپنے علاقوں میں زیادہ سے زیادہ اردو کی خدمات کے لیے وعدہ کیا۔ اکثر حضرات نے کہا کہ اردو کو گھر گھر پہنچانے کے لیے ابتدائی درجے سے نصاب میں اردو کو داخل کیا جائے۔ دیگر صوبوں کی طرح نئے صوبے چھتیس گڑھ میں بھی اردو اکاڈمی کے قیام کا مطالبہ کیا گیا اور کہا گیا کہ سرکاری دفتروں اور ریلوے اسٹیشنوں کے بورڈ میں اردو کا استعمال کیا جائے۔

ڈاکٹر خلیق انجم نے کہا کہ مجاہد آزادی مولانا حامد علی فاروقی کی اردو خدمات کو چھتیس گڑھ کے عوام و خواص نظر انداز نہیں کر سکتے۔ انھوں نے کہا کہ عام بول چال کی زبان میں آج بھی لوگ اردو ہی بولتے ہیں۔ ڈاکٹر خلیق انجم نے اخباری نمائندوں سے بات کرتے ہوئے کہا کہ نئے صوبے چھتیس گڑھ میں کانگریس پارٹی اقتدار میں آنے والی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ کانگریس اپنی پچھلی غلطیوں کو نظر انداز کرتے ہوئے چھتیس گڑھ میں اردو کی ترقی کے لیے زیادہ کام کرے گی۔ ڈاکٹر موصوف نے کہا کہ سرکار سے مل کر اسکولوں میں اردو کے درجے قائم کرنے اور اردو ٹیچر کی بحالی کے لیے کوشش کرنی چاہیے۔

مولانا محمد علی فاروقی نے اپنے خطاب میں کہا کہ اردو ایک ایسی زبان ہے جس میں ایسی مٹھاس ہے جو بولنے اور سننے والوں کو اچھا لگتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ اردو کو روزگار سے جوڑا جائے اور چھتیس گڑھ میں ایک اردو یونیورسٹی قائم کی جائے۔

پروفیسر آفاق احمد نے اپنی تقریر میں مطالبہ کیا کہ آکاش وانی اور دوردرشن سے اردو میں پروگرام نشر کیے جائیں ساتھ ہی آکاش وانی رائے پور اور دوردرشن رائے پور سے اردو میں خبریں پیش کی جائیں۔

ڈاکٹر اسلم پرویز نے کہا کہ چھتیس گڑھ میں اردو اکاڈمی قائم کر کے چھتیس گڑھ کے ادیبوں اور شاعروں کی خدمات کو عوام کے سامنے پیش کیا جائے تاکہ اردو کی ترقی ہو سکے۔

کانفرنس میں مولانا عمران اشرفی، گریش پنکج صاحب، کن موہن سنگھ سیلانی صاحب، مولانا عبدالمطلب پربھاکر چوبے، رضا حیدری، ہاشم خاں ایڈوکیٹ، ڈاکٹر مسعود احمد، ڈاکٹر شریف الدین اور مولانا اکبر علی فاروقی نے بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

(پریس ریلیز انجمن ترقی اردو رائے پور)

ضلع پریشد ہائی اسکول اردو میڈیم ویور کنڈہ کی خالی اسامیوں پر تقررات کی اپیل

دیورکنڈہ ضلع پریشد اردو میڈیم ہائی اسکول دیورکنڈہ میں انگریزی سائنس اور ریاضی کے اسکول اسسٹنٹس کی اسامیاں طویل عرصے سے خالی ہیں جس کی وجہ سے طلبہ وطالبات کی تعلیم پر برا اثر پڑ رہا ہے۔ جناب سید حسین جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش شاخ دیورکنڈہ نے ضلع کلکٹر نلگنڈہ جناب وی۔ ایم۔ منوہر پرساد اور ڈسٹرکٹ ایجوکیشنل آفیسر نلگنڈہ جناب بسوا راجو سے پرزور مطالبہ کیا کہ ڈی ایس سی ٢٠٠٠ء کے ذریعے خالی اسامیوں کو پُر کیا جائے۔

(سیاست حیدرآباد)

ڈاکٹر رضیہ حامد کا نیا پتا

ڈاکٹر رضیہ حامد کا نیا پتا درج ذیل ہے:

ڈاکٹر رضیہ حامد
٩۔ کنارہ اپارٹمنٹ، وی۔ آئی۔ پی روڈ
نزد کربلا، بھوپال۔ ٤٦٢٠٠١

بے تک رام پوری کے مجموعہ کلام "تک بے تک" کا اجرا

بزم ادب رام پور کی جانب سے ظریف الملک حضرت بے تک رامپوری مرحوم کے مزاحیہ کلام کے مجموعہ "تک بے تک" کی رسم اجرا دوالفقار ہائی اسکول کے ہال میں سید مجتبیٰ حسین صاحب کے ہاتھوں عمل میں آئی۔ جلسے کی صدارت ڈاکٹر حسن احمد نظامی نے فرمائی۔ اس ادبی تقریب میں مرتضیٰ فرحت صاحب نے بے تک مرحوم کے فن اور کلام پر مقالہ پیش کیا۔ پرچم سہروردی، سید حسن احمد جس پوری، ظفر سنبھلی اور متین امروہوی نے منظوم خراج عقیدت پیش کیا۔ ماسٹر اسرار احمد صاحب نے بے تک رامپوری کا کلام مرحوم کے مخصوص انداز میں سنایا۔ آخر میں مہمان خصوصی جناب مجتبیٰ حسین نے اردو شاعری میں طنز و مزاح کی روایت اور اس میں بے تک رامپوری کی خدمات کا جائزہ لیا۔ انھوں نے بے تک رامپوری کو فکری اور عملی مزاحیہ شاعری کا شاہکار بتایا۔ حاضرین جلسہ کے اصرار پر خرابیٔ صحت کے باوجود مجتبیٰ حسین صاحب نے اپنا مزاحیہ انشائیہ بعنوان "صاحب باتھ روم میں ہیں" سنایا جس سے حاضرین خوب خوب محظوظ ہوئے۔ آخر میں فرزند بے تک جناب رئیس رامپوری نے اس مجموعے کی اشاعت میں تعاون دینے والوں اور پروگرام میں حاضر مہمان کا شکریہ ادا کیا۔

(ابن حسن خورشید)

"شعلوں کے پھول" کی رسم اجرا

پٹنہ (ڈاک سے) اردو بھون میں اردو کے مشہور شاعر جناب معصوم شوقی امیر کے دوسرے مجموعہ کلام "شعلوں کے پھول" کی رسم اجرا بہار کے وزیر زراعت جناب غلام سرور کے ہاتھوں انجام پائی۔ تقریب کی صدارت جناب ہارون رشید نے کی اور نظامت کے فرائض جناب فخر الدین عارفی نے انجام دیے۔ جلسے سے خطاب کرتے ہوئے جناب غلام سرور نے معصوم شوقی امیر کی ادبی خدمات پر روشنی ڈالی اور انھیں ایک انقلابی شاعر قرار دیا۔

ڈاکٹر عبدالصمد، جناب وصی احمد ایم ایل سی اور جناب رضوان احمد نے بھی اس موقع پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ ڈاکٹر جاوید حیات نے اپنا مقالہ پیش کیا جب کہ ظفر صدیقی نے شاعر کو منظوم خراج تحسین پیش کیا۔

ڈاکٹر صغریٰ عالم

وجد فرمائے گی تیری نثر بھی اور نظم بھی

کہیں بات آواز تغزل میں کہی جائے گی تو
خوش صدائی کے نغموں میں سنی جائے گی تو

وجد فرمائے گی تیری نثر بھی اور نظم بھی
شاعری کے ساز پر ہر دم کہی جائے گی تو

تجھ کو پڑھتے ہیں سمجھنے کی زباں سی جان کر
آئینے ہی سے فضاؤں میں لکھی جائے گی تو

خوش نگاہی میں تغافل میں بہانا اس طرح
شش جہات دہر میں ہر دم پڑھی جائے گی تو

خوں چکیدہ ہیں کبھی منصوبے تیرے قتل کے
جاں بلب ہو کے بھی رگ رگ میں بسی جائے گی تو

رات نے تالے لگا دیتے ہیں تیرے محل پر
ذہن اور اک ہی سے کھولتی جائے گی تو

ہم نے رسم الخط کے زیور کو کھویا اس طرح
قطرہ بن کر موتیوں ہی میں ڈھلی جائے گی تو

تو کہ ہے ایمان سے پابند سے، صغریٰ کبھی
آمد دل کی طرح ہر دم سنی جائے گی تو

فلسطین پر شعری تخلیقات بھیجیے

اردو شعرا سے ادارۂ ادب اسلامی ہند کی اپیل

ارض انبیاء فلسطین پچاس سال سے یہود کے ظلم و ستم کی آماجگاہ بنی ہوئی ہے۔ بیت المقدس (مسجد اقصیٰ) صیہونی درندوں کے جبر کا شکار اور ناپاک اسرائیلی عزائم کی زد پر ہے۔ اس ظلم و ستم کے خلاف اپنے منصفانہ حقوق کے حصول کے لیے فلسطین کے مسلمان اپنے خون سے عزیمت و جہاد کی ایک تابناک داستان لکھ رہے ہیں۔

آپ صاحب قلم ہیں تو یہ وقت کی پکار سنیے اور آگے بڑھ کر اپنے نغمات سے ساکنان ارض انبیاء فلسطین کے کاز کو تقویت پہنچائیے۔ آپ دنیا کے کسی گوشے میں رہتے ہوں، آپ سے روح کو تڑپانے اور قلب کو گرمانے والے نغمات کسی بھی شعری صنف میں تحریر کر کے ارسال کرنے کی گزارش ہے۔ منتخب تخلیقات کو انشاء اللہ جلد ہی ادبی ماہنامہ "پیش رفت" دہلی میں شائع کرنے کے علاوہ خوب صورت کتابی شکل میں شائع کر کے ایک عظیم الشان پروگرام میں اس کا اجرا کیا جائے گا۔

آپ اہل قلم ہیں تو قلم اٹھائیے اور اپنی شعری تخلیق ذیل کے پتے پر جلد از جلد ارسال فرمائیے۔

انتظار نعیم
جنرل سکریٹری ادارۂ ادب اسلامی ہند
2703۔ بازار چتلی قبر، بلی ماران، دہلی۔ ٦
Ph: 3918291 Fax: 6820975

بہار میں قانون اردو کا مکمل نفاذ اردو تحریک کا اگلا قدم

اردو تحریک کو کمزور کرنے کی کوئی بھی سازش کامیاب نہیں ہوگی

(ضمیر العین عارفی)

پٹنہ (ڈاک سے) گزشتہ دنوں انجمن ترقی اردو بہار کے سکریٹری جناب فخر الدین عارفی نے ویشالی ضلع کا دورہ کیا اور وہاں کے اردو داں حلقوں کے درمیان جا کر اردو زبان کی صورت حال کا جائزہ لیا۔ اس موقع پر جناب فخر الدین عارفی نے ایک جلسے میں شرکت بھی کی۔ یہ جلسہ انجمن ترقی اردو ضلع ویشالی کے زیر اہتمام منعقد کیا گیا تھا۔ جلسے کی صدارت ضلعی انجمن کے صدر ڈاکٹر ممتاز احمد خاں نے کی۔ اس موقع پر ادیبوں، شاعروں اور دانشوروں کا ایک بڑا حلقہ جلسہ گاہ میں موجود تھا۔ سب سے پہلے جناب انوار الحسن وسطوی سکریٹری انجمن ترقی اردو ضلع ویشالی نے سکریٹری رپورٹ پیش کی۔ بعد میں مختلف حضرات نے اردو زبان کے تعلق سے اپنے تاثرات کا اظہار کیا۔ جن میں دوردرشن کیندر مظفر پور کے انجینئر ڈاکٹر جناب انیس رفیع، جناب شمیم احمد، جناب عبدالرحیم انصاری، پروفیسر سید علی نیازی، مشتاق احمد، محمد و اعظم الحق، ماسٹر امین الدین انصاری اور نائب عبیداللہ خاں کے اسمائے گرامی خاص اہمیت کے حامل ہیں۔ جلسے کے آخر میں جناب فخر الدین عارفی نے کہا کہ بہار میں اردو زبان کی صورت حال ملک کی دوسری تمام ہندی ریاستوں سے بہتر ہے۔ اردو آج بہار کی دوسری سرکاری

گرامی نامے

ادارے کا مراسلہ نگاروں سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے

ہماری مدح میں

مکرمی! 'گنہگاری وحشت کا شاعر - مجروح' ملی۔ اتنی معیاری، دل فریب اور دیدہ زیب کتاب کے لیے بہت بہت مبارک باد۔

میرا خیال ہے کہ کتابی شکل میں مجروح کے لیے یہ اولین خراج عقیدت ہے۔

"ہماری زبان" کا علی سردار جعفری نمبر بھی مل گیا۔ جعفری پر تو ان کی زندگی میں ہی لاتعداد خصوصی نمبر شائع ہو چکے تھے۔ پھر بھی غالباً جن حضرات کے مضامین "ہماری زبان" میں ہیں ان کے دوسرے رسائل میں نہیں۔ اس اعتبار سے ادارہ "ہماری زبان" اور زیادہ مبارک باد کا مستحق ہے۔

(شفیقہ فرحت۔ بھوپال)

(۲)

مکرمی! "ہماری زبان" کے شمارے باقاعدگی سے ملتے رہتے ہیں۔ اس کے مشمولات علم و حکمت کے بیش بہا خزانے ہیں جو میرے دل و دماغ کو عجیب سی روشنی اور فرحت عطا کرتے ہیں۔ میرا ایمان ہے کہ یہ آپ کے خلوص نیت اور سلیقہ ترتیب کا نتیجہ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اردو کے "ہماری زبان" جیسے معیاری ہفت روزہ کے لیے آپ ہی ایسے لائق و فائق مدیر اور ہر دل عزیز انسان کی ضرورت تھی۔ سب سے بڑا وصف یہ ہے کہ اس اخبار کا مدیر مضامین کی فراہمی کے گر بھی جانتا ہے اور ماشاء اللہ خود بھی ایک محنتی و دیانت دار اور باصلاحیت قلم کار ہے۔

۸ر تا ۱۴ر نومبر ۲۰۰۰ء کے شمارے میں آپ کا مضمون بعنوان 'خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری' خاصے کی چیز ہے۔ اسے پڑھ کر بہت سی نئی باتیں معلوم ہوئیں جن کا علم مجھے کما حقہ' نہیں تھا اگرچہ میں خود اس لائبریری میں جا کر استفادہ کر چکا ہوں۔ آپ کا یہ مشورہ کہ یہ لائبریری پی۔ ایچ۔ ڈی کا موضوع ہے بے حد مناسب اور فوری توجہ کا مستحق ہے۔

'گنہگاری وحشت کا شاعر مجروح' کی رسید کی خاطر لکھ چکا ہوں۔

(مجاہد حسین حسینی)

خدا بخش لائبریری

مکرمی! "ہماری زبان" (۸ر تا ۱۴ر نومبر ۲۰۰۰ء) میں خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پر خلیق انجم صاحب کا معلومات افزا مضمون شائع ہوا ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ انھوں نے خدا بخش لائبریری پر اپنے خیالات کا اظہار یوں فرمایا کہ "اس مختصر سے مضمون میں خدا بخش لائبریری کے تمام گوشوں پر تفصیلی روشنی ڈالنا ممکن نہیں ہے۔ یہ لائبریری پی۔ ایچ۔ ڈی کا موضوع ہے اور لائبریری کو چاہیے کہ کسی طالب علم کو فیلو شپ دے کر اس موضوع پر مقالہ لکھوائے"۔

میں شکر گزار ہوں کہ انھوں نے لائبریری کی قدر و قیمت اور کمیت و کیفیت پر اپنے گراں قدر خیالات کا اظہار فرمایا۔ میں یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ ان کی اس خواہش پر بہت پہلے عمل کیا جا چکا ہے۔ میں نے جب یہاں ڈائرکٹر کی حیثیت سے ذمہ داری قبول کی تو محسوس کیا کہ لائبریری کے بانی مولوی خدا بخش خاں کی کوئی جامع سوانح حیات نہیں ہے۔ بس دو چار مضامین ہیں، انھی کے حوالے اکثر دیے جاتے ہیں۔ خود لائبریری کی تاریخ اور اس کی سرگرمیوں کا احاطہ کرنے والی کوئی مستند کتاب نہیں جو کچھ اس سلسلے میں ملتا ہے ۱۹۰۶/۰۷ء کے دہوں تک محدود ہے۔ بعد میں جو پیش رفت ہوئی اس کا بھرپور جائزہ نہیں لیا گیا۔ خال خال کچھ ملتا ہے۔ لہٰذا خدا بخش کی سوانح اور لائبریری کی تاریخ کی تدوین کی درخواست معروف تاریخ داں پروفیسر قیام الدین احمد سے کی گئی۔ ابھی انھوں نے اس پر کام شروع بھی نہیں کیا تھا کہ وقت کے بے رحم ہاتھوں نے انھیں ہم سے چھین لیا اور ہمارے یہ منصوبے کچھ عرصے کے لیے ٹل گئے۔ بعد میں ہماری ہی تجویز پر یہ کام ان کے ہونہار اور لائق و فائق فرزند جناب امتیاز احمد (جو بحیثیت ایک تاریخ داں اپنی صلاحیتوں کا اعتراف کرا چکے ہیں) کے سپرد کیے گئے۔ اس پروجیکٹ میں تاخیر ہوتی نظر آئی تو راقم السطور نے خدا بخش لائبریری پر ایک طویل مضمون سپرد قلم کیا جو 'نقوش' لاہور، 'بہار نمبر' اور 'قومی آواز' دہلی میں قسط وار شائع ہوا ہے۔ یہ شروع سے اب تک کی تاریخ ہے تاہم ایک تحقیقی مقالے کی ضرورت ہنوز باقی ہے۔ ابھی اس کے لیے مزید انتظار کرنا ہوگا۔ بہر حال خوشی کا مقام ہے کہ مولوی خدا بخش خاں کی سوانح حیات عنقریب مکمل ہوا چاہتی ہے۔

ڈاکٹر عابد رضا بیدار نے ۱۹۷۷ء سے لائبریری میں نشر و اشاعت کا سلسلہ شروع کیا تھا جو بحمد اللہ ہنوز جاری ہے۔ سہ ماہی 'جرنل' کے علاوہ (جو اردو انگریزی میں نکلتا ہے) اب تک لائبریری کافی بڑی تعداد میں کتابیں شائع کر چکی ہے۔ خلیق انجم صاحب کو غالباً سہو ہوا جو انھوں نے یہاں کی مطبوعات کی تعداد سو لکھی ہے۔ اب تک ہم ۳۲۵ کتابیں شائع کر چکے ہیں۔ اس میں اردو کی تقریباً ۳۰۰ کتابیں شامل ہیں اور باقی کتابیں انگریزی، عربی، فارسی اور ہندی میں شائع ہوئی ہیں۔

مخطوطات اور مطبوعات کے تنقیدی ایڈیشن سے متعلق مصنف نے چند اسمائے کتب کا ذکر کیا ہے۔ ہر چند کہ انھوں نے لفظ 'وغیرہ' کا استعمال کیا ہے لیکن محسوس یہ ہوا کہ ان کی نظر سے ہماری دیگر کتابیں نہیں گزری ہیں۔ یہ ہماری بدقسمتی ہے۔ فہرست ذرا طویل ہے۔ لیکن میں صرف چند ناموں پر اکتفا کروں گا۔ 'ریاض رنجور'، 'کلام رنجور' مرتبہ محسن الدین عقیل، 'زیج الوار رنجور' مرتبہ لائبریری، 'تذکرۂ مسرت افزا' مرتبہ قاضی عبدالودود، تدوین جنی سید شاہ محمد اسماعیل، 'دیوان تاج' مرتبہ حنیف نقوی، 'دیوان عرفی شیرازی' مرتبہ ڈاکٹر ولی الحق انصاری، 'دیوان مظہر' مرتبہ ڈاکٹر عبدالرزاق، 'مخزن فوائد' (اردو مصطلحات، محاورات اور امثال) مرتبہ ڈاکٹر ذاکر حسین (لائبریری میں ریسرچ فیلو ہیں) وغیرہ وغیرہ۔ تازہ ترین مطبوعات میں ہماری لائبریری کے نادر فارسی مخطوطات: 'سیرت فیروز شاہی' اور 'جہانگیر نامہ' شامل ہیں۔

مصنف نے اپنی ایک اور خواہش کا ذکر کیا ہے اور ہمیں مشورہ بھی دیا ہے۔ یہ ان کی بالغ نظری ہے کہ وہ لائبریری کو ایک ہمہ جہاتی ادارہ سمجھتے ہیں اور اس کی تعمیری منصوبہ بندی میں دوررس اور توسیعی امکان کی اہمیت پر زور دیتے ہیں۔ میں ان کا بے حد ممنون ہوں کہ وہ اس لائبریری کے معاملات میں اتنی دل چسپی لیتے ہیں۔ ہمارے قارئین کو یہ جان کر خوشی ہوگی کہ ایک شش منزلہ عمارت کا نقشہ تقریباً دو سال پہلے لائبریری بورڈ کی منظوری کے بعد محکمہ ثقافت، وزارت سیاحت و ثقافت کو بھیجا جا چکا تھا لیکن وہ کچھ بے اعتنائی کا شکار ہو گیا۔ ابھی حال میں تازہ تخمینات (تقریباً پونے چھ کروڑ روپے) کے ساتھ پھر ارسال کیا گیا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ محکمہ ثقافت ہماری اس شدید ضرورت پر فوری توجہ کرے گا اور جلد از جلد اپنی منظوری سے نوازے گا۔ اس توسیع کے بعد انشاء اللہ لائبریری میں کچھ نئی خدمات شروع کی جائیں گی۔

(حبیب الرحمن چغانی - پٹنہ)

زبان ہے، تعلیمی سطح پر اردو کی حالت اترپردیش سے بہت بہتر ہے۔ یہ صوبہ آج بھی علم و ادب کا سب سے بڑا مرکز ہے۔ لیکن اتنا کچھ ہونے کے باوجود بہار کی اردو آبادی کو ابھی اور بہت کچھ کرنا باقی ہے۔ یہ سب جانتے ہیں کہ انجمن ترقی اردو بہار کی موثر تحریک کے نتیجے میں ہی آج بہار میں اتنا کچھ ممکن ہو سکا ہے لیکن مجھے یہ کہنے دیجیے کہ ابھی انجمن ترقی اردو بہار کو اور بہت کچھ کرنا باقی ہے۔

عارفی صاحب نے کہا کہ بہار میں اردو کا قانون بن جانا یقیناً ایک بڑا کام ہے۔ لیکن اس سے بھی بڑا کام اس قانون کا پورے طور پر نفاذ ہے۔ جب تک بہار کے تمام سرکاری دفاتر میں ہندی کی طرح اردو بھی کام کاج کی زبان نہیں بنتی ہے اردو کا قانون کوئی معنی نہیں رکھتا ہے۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ جس طرح وہ بچے جن کی مادری زبان اردو ہوتی ہے اور وہ اکثر بھاشا ہندی پڑھتے ہیں ٹھیک اسی طرح سے وہ بچے جن کی مادری زبان ہندی ہے اسکولوں اور کالجوں میں ان کے لیے اردو کی تعلیم کا بندوبست کیا جائے۔

ڈاکٹر ممتاز احمد خاں نے اپنی صدارتی تقریر میں کہا کہ اردو زبان کو ختم کرنے کے لیے جتنی سازشیں کی گئی ہیں اتنی ہی یہ زبان مضبوط ہوتی ہے اور بڑی بڑی طاقتوں کے باوجود یہ زبان زندہ رہے گی۔

آخر میں جناب انوار الحسن وسطوی نے تمام حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔

(پریس ریلیز انجمن ترقی اردو، بہار)

اک دیا اور بجھا

اردو کے مشہور و ممتاز ادیب، محقق اور تنقید نگار ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی کا ۲۸ر نومبر ۲۰۰۰ء کی صبح نو بجے لکھنؤ میں انتقال ہو گیا۔ ہاشمی صاحب یکم جولائی ۱۹۱۳ء کو اترپردیش کے ضلع بہرائچ میں پیدا ہوئے تھے۔ مرحوم نے ایم۔ اے تین زبانوں (انگریزی، اردو اور فارسی) میں کیا تھا۔ اردو میں ان کے پی۔ ایچ۔ ڈی کا موضوع تھا "دلی کا دبستان شاعری"۔ "تدوین کلیات ولی" پر انھیں لکھنؤ یونیورسٹی نے ڈی۔ لٹ کی ڈگری دی تھی۔ ہاشمی صاحب ۱۹۴۰ء سے ۱۹۴۳ء تک علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں لکچرر رہے۔ ۱۹۴۳ء سے ۱۹۵۰ء تک دہلی کے دہلی کالج کے شعبۂ اردو میں لکچرر رہے۔ ۱۹۵۰ء میں لکھنؤ یونیورسٹی میں لکچرر مقرر ہوئے اور ۱۹۷۴ء میں یہاں سے ریڈر کی حیثیت سے ریٹائر ہوئے۔ مرحوم کی تقریباً سولہ سترہ تصنیفات و تالیفات ہیں۔ ان میں 'دلی کا دبستان شاعری'، 'کلیات ولی' (تدوین)، 'نو طرز مرصع' (تدوین)، 'ایک یادگار روزنامچہ' (تدوین)، 'کلیات حسرت دہلوی' (تدوین)، 'بکٹ کہانی' (تدوین) با اشتراک ڈاکٹر مسعود حسین خاں اور 'ادب کیا ہے' (تنقیدی مضامین کا مجموعہ) شامل ہیں۔

ادارہ "ہماری زبان" مرحوم کے لیے مغفرت اور پس ماندگان کے لیے صبر جمیل کی دعا کرتا ہے۔ (ادارہ)

پروفیسر نورالحسن ہاشمی کی وفات پر اردو گھر میں تعزیتی جلسہ

پروفیسر نورالحسن ہاشمی کا شمار ہمارے ان بزرگ محققوں اور نقادوں میں ہوتا ہے جن کی پوری زندگی علم و ادب کی خدمت اور درس و تدریس میں گزری۔ ہاشمی صاحب مرحوم کے بارے میں ان خیالات کا اظہار انجمن ترقی اردو (ہند) کے زیر اہتمام یکم دسمبر ۲۰۰۰ء کو ہاشمی صاحب کی وفات پر منعقد ہونے والے تعزیتی جلسے میں غالب انسٹی ٹیوٹ کے ڈائرکٹر شاہد ماہلی نے کیا۔

ڈاکٹر خلیق انجم نے خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ ہاشمی صاحب مرحوم لکھنوی تہذیب کا اعلیٰ ترین نمونہ تھے۔ وہ ایک شریف، منکسر المزاج اور مہذب انسان تھے۔ ساری زندگی انھوں نے اردو ادب کی بے لوث خدمت کی ہے۔

جناب ابوالفیض سحر نے اپنی تقریر میں کہا کہ ہاشمی صاحب نے یونیورسٹی کے استاد اور اردو کے ممتاز محقق اور نقاد کی حیثیت سے تین چار نسلوں کی ذہنی تربیت کی ہے۔ مرحوم کی خدمات اردو ادب میں ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔

ڈاکٹر اسلم پرویز نے کہا کہ پروفیسر نورالحسن ہاشمی کا شمار ان لوگوں میں ہے جنھوں نے پہلے پہل ہمیں کچھ تنقیدی تصورات دیے جس کی روشن مثال ان کی کتاب "دلی کا دبستان شاعری" ہے۔ آج ہم ان تصورات سے خواہ کتنے ہی آگے نکل آئے ہوں، لیکن ہماری تنقید کے اولین نقوش کی حیثیت سے ان کی اہمیت ہمیشہ باقی رہے گی۔ دیوان ولی کی تدوین پروفیسر نورالحسن ہاشمی کا ایسا اہم ادبی کارنامہ ہے۔

شمیم جہاں صاحبہ نے ہاشمی صاحب کی ادبی خدمات پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ پروفیسر نورالحسن ہاشمی کا انتقال اردو زبان و ادب کا ناقابل تلافی نقصان ہے۔ اردو دنیا ان کی کمی ہمیشہ محسوس کرے گی۔ انھوں نے اردو ادب میں بہت اہم اضافے کیے ہیں۔

جلسے کے اختتام پر ڈاکٹر خلیق انجم نے تعزیتی قرارداد پیش کی اور پھر سامعین نے کھڑے ہو کر دو منٹ کی خاموشی اختیار کی۔ (ادارہ)

نئی کتابیں

تبصرے کے لیے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے

نام کتاب : وفیات مشاہیر بہار
(۱۹۳۷ء سے ۱۹۹۹ء تک کا اشاریہ)
مرتب : ڈاکٹر سید شاہد اقبال
ضخامت : ۱۱۲ صفحات
قیمت : ۱۰۰ روپے
تقسیم کار : اپلائیڈ پبلی کیشنز پرائیویٹ لمیٹڈ، ۳۰/۹/۳۷، ایبوری ہاؤس دریاگنج، نئی دہلی - ۱۱۰۰۰۲
تبصرہ نگار : ڈاکٹر محمد محفوظ الحسن

وفیات نگاری کو ادب کے زمرے میں رکھا جا سکتا ہے یا نہیں اس بحث سے قطع نظر یہ بات بڑے یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ وفیات نگاری سے تحقیقی ادب میں مدد لی جاتی ہے اور لی جاتی رہے گی۔ اگر اس نکتے کو ملحوظ خاطر رکھا جائے تو ڈاکٹر سید شاہد اقبال کی یہ کتاب جسے انھوں نے بڑی عرق ریزی سے مرتب کیا ہے ایک خاص اہمیت کی حامل ہے اور اس کی نوعیت سنگ میل کی ہے کہ انھوں نے بہار کی ۳۳۰ شہرۂ آفاق شخصیتوں کی تاریخ پیدائش و وفات کو یکجا کر دیا ہے۔

مذکورہ کتاب کے نام سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس میں صرف تاریخ وفات درج ہوگی لیکن کتاب کے مطالعے کے بعد اس کی افادیت اور اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے کہ اس میں تاریخ پیدائش، تاریخ وفات، مدفن کے ساتھ ساتھ ہر شخص کی شخصیت کو چند جملوں میں سمیٹنے کی کوشش کامیابی سے ہمکنار ہوتی نظر آتی ہے۔ ممکن ہے اس کے اندراجات پر کسی صاحب قلم کو اعتراض ہو لیکن شاہد اقبال کے پاس اس اعتراض کا مثبت و مسکت جواب بھی ہے۔

بہار کے بعض جلیل القدر برصغیر ہند و پاک کے معتبر دانشور اور محقق پروفیسر مختار الدین احمد کے تعارف نے اس کی اہمیت اور افادیت میں چار چاند لگا دیا ہے۔ مقدمہ کا بے کو ہے یہ وفیات نگاری پر خصوصی، پُر مغز اور مفصل مقالہ ہے جس سے متعلقین علم و ادب کی سیرابی ہوتی ہے۔

وفیات سے دل چسپی رکھنے والوں، تحقیقی کام کرنے والوں اور جامعات کے شعبوں کے لیے یہ ایک اصول تحفہ ہے۔ ڈاکٹر سید شاہد اقبال کی یہ محنت رنگ دکھائے گی اور کتاب کو قبولیت عام حاصل ہوگی۔

☆☆☆

نام کتاب : **تناظر اور تشخص**
مصنف : ڈاکٹر مختار شمیم
قیمت : ۱۲۵ روپے
ملنے کا پتا : بھوپال بک ہاؤس، بدھوارہ بھوپال - ۴۶۲۰۰۱
تبصرہ نگار : رشید عرشی

ڈاکٹر مختار شمیم بنیادی طور پر تخلیق کار ہیں لیکن تنقید و تحقیق کے میدانوں میں بھی ان کا اشہب قلم پایا ہے۔ ظہیر دہلوی پر ان کے تحقیقی کام کو ہند و پاک کے معتبر اور مستند محققین نے قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی تنقیدی کاوشیں ان کی سلیم الطبعی کا ثبوت فراہم کرتی ہیں۔ گزشتہ پچیس تیس برسوں میں ان کے متعدد تنقیدی مضامین مختلف رسائل و جرائد میں شائع ہو چکے ہیں۔ ان مضامین کو بہت پہلے کتابی شکل میں شائع ہو جانا چاہیے تھا۔ شاید ڈاکٹر صاحب کی درویشانہ بے نیازی کے سبب ایسا نہ ہو سکا۔ بہر حال تاخیر ہی سے سہی، اب ان مضامین کا انتخاب "تناظر اور تشخص" کے نام سے منصہ شہود پر آ چکا ہے۔

ڈاکٹر صاحب ادب کی صحت مند قدروں پر یقین رکھتے ہیں۔ وہ جس موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں پوری آگہی کے ساتھ اٹھاتے ہیں۔ ان کا زاویہ نظر معروضی ہوتا ہے۔

"تناظر اور تشخص" میں اٹھارہ مضامین ہیں۔ پہلا مضمون "مطالعہ اقبال کی ایک جہت" "اقبالیات میں ایک نئے زاویے کی تلاش کی قابل قدر کوشش ہے۔ اس میں مصنف نے اقبال کی شاعری میں جغرافیائی اور طبعی عناصر کی نشان دہی کرتے ہوئے جغرافیائی نظریات کو اقبال کی شعریات میں اساسی درجہ دیا ہے۔ "ذوق ایک مطالعہ" میں اس رجحان سے بحث کی گئی ہے جو ذوق، مومن، غالب میں ذوق کو فکری کمی والا مفتوں کی زیادتی کی وجہ سے کم تر درجے کا شاعر ماننے پر بضد ہے۔ مصنف نے زبان و بیان کے اعتبار سے ذوق کی شعری فتوحات کی اہمیت کو منصفانہ طریقے سے پیش کیا ہے۔

دیگر مضامین میں ظفر گورکھپوری کا مطالعہ "شعر بج بولتا ہے" اور ایک مضمون "مدھیہ پردیش میں جدیدیت کے اثرات" "عصری ادب پر شمیم صاحب کی گہری نظر کی نشان دہی کرتے ہیں۔ ڈاکٹر سید جعفر اور ابراہیم یوسف پر لکھے گئے مضامین موصوف اور موصوف کے تنقیدی اور تحقیقی کارناموں کا بہت ایمان دارانہ جائزہ پیش کرتے ہیں۔ "قصہ مستند" اور "قصیدے کی شناخت" میں خود شمیم صاحب کا تحقیقی اور تنقیدی شعور نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ مصنف ادب کی صالح اقدار میں یقین رکھتا ہے نظریاتی وابستگی کے اظہار میں نہیں۔ مصنف کی فکری اساس کو سمجھنے میں "ہمارا ادب اور قدروں کا مسئلہ" کے یہ الفاظ قاری کی مدد کر سکتے ہیں:
"کوئی فنی یا ادبی کارنامہ اس وقت تک اہم نہیں جب تک اس میں ان قدروں کی آمیزش نہ ہو جو زندگی کی روح بن کر اس میں بس نہ جائیں"۔

☆☆☆

نام کتاب : اچھا خط کیسے لکھیں
مصنف : رئیس صدیقی
ضخامت : ۳۲ صفحات
قیمت : پانچ روپے
ناشر : مکتبہ الحسنات، ۲۲۳۱، کوچہ چیلان، دریاگنج، نئی دہلی - ۲
تبصرہ نگار : عزیز نبیل علی

رئیس صدیقی صاحب نے بچوں کے لیے کئی اہم کتابیں لکھی ہیں۔ کچھ عرصے پہلے ان کی ایک اور کتاب "اچھا خط کیسے لکھیں" شائع ہوئی۔ اس موضوع پر بڑوں کے لیے تو بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں لیکن بچوں کے لیے غالباً یہ پہلی کتاب ہے۔ یہ کتاب دس سے لے کر پندرہ سال کی عمر تک کے بچوں کے لیے ہے۔ کتاب کے شروع میں 'خطوط نگاری کا آرٹ' کے عنوان سے ایک باب لکھا گیا ہے۔ اس باب میں خط کی تعریف لکھی گئی اور اس سلسلے میں غالب اور دوسرے بڑے مکتوب نگاروں کے قول نقل کیے گئے ہیں۔

رئیس صاحب نے اس باب میں بتایا ہے کہ رسمی اور غیر رسمی خطوط کیا ہوتے ہیں۔ ان کا فرق بہت آسان انداز میں بیان کیا ہے پھر خط کے مختلف حصوں کی تفصیل بیان کی ہے مثلاً القاب و آداب، ابتدائی متن اور خاتمہ اسی طرح انھوں نے اس کتاب میں بتایا ہے کہ رسمی خطوط یعنی درخواستیں اور سرکاری خطوط وغیرہ کس طرح لکھے جاتے ہیں اور پھر غیر رسمی خطوط کے اندر کے خطوط کی کیا خصوصیات ہوتی ہیں اور انھیں کس طرح لکھا جانا چاہیے۔ رئیس صاحب نے بہت آسان، صاف اور سادہ زبان میں خطوط کے نمونے پیش کیے ہیں۔ ان میں پہلے غیر رسمی خطوط ہیں جو دادا، نانا، والد، والدہ، ماموں، پھوپھی، چچا، خالہ، بڑے بھائی، چھوٹی بہن، شوہر، بیٹی، بیٹے وغیرہ کے نام ہیں، پھر شادی میں شرکت کے لیے ایک دعوت نامے کا نمونہ دیا گیا ہے اس کے بعد کالج کے پرنسپل کے نام چھٹی کی درخواست دی گئی ہے، بینک منیجر کے نام بھی ایک خط شامل ہے اور پھر بتایا گیا ہے کہ اگر کسی اخبار کو کوئی مراسلہ بھیجنا ہو تو مراسلہ کس انداز میں لکھا جاتا ہے اس کے بعد یہ بتایا گیا ہے کہ لفافے پر پتا کس طرح لکھا جائے۔ آخر میں ڈاک خانے سے متعلق ایسی اہم باتیں بتائی گئی ہیں جو بچوں کو جاننا ضروری ہیں۔

غرض یہ کہ یہ کتاب طالب علموں کے لیے بہت مفید ہے۔ اگر بچے اس کتاب کا پہلا باب اور پھر خطوط کے نمونے غور سے پڑھ لیں تو استاد کی محنت کے بغیر بہت اچھا لکھ لیں گے۔

بقیہ صفحہ ۳ سے آگے

دساتیر پر کچھ توجہ کریں تو بہت مناسب ہوگا — یہاں (ہندوستان میں) تو مجھے کوئی نظر نہیں آتا جو اس کام کے لیے آمادہ ہو" (تجزیہ و تحسین، ص ۲۹)۔

دساتیر کی زبان جعلی فارسی ہے۔ ڈاکٹر نذیر احمد اس پر کام کرنے کی فرمائش کر کے ڈاکٹر معین کے کندھوں پر بہت بڑا بوجھ ڈال رہے ہیں۔

کتابیات پر مجھے کئی اعتراضات ہیں۔ مخطوطات کلام غالب میں انھیں دیوان غالب خط غالب اور دیوان غالب نسخہ فوجدار محمد خاں کے شمول کا کوئی حق نہ تھا کیوں کہ انھوں نے ان مخطوطات کو نہیں دیکھا۔ آخر الذکر کو معروف بہ نسخہ حمیدیہ کہنا غلط ہے۔ انھوں نے دیوان غالب نسخہ رام پور قدیم بھی نہیں دیکھا۔ نمبر ۶ تا ۸ کے مخطوطات کو اگر دیکھا ہو تو ٹھیک ہے، اگر ان میں سے کسی کو نہیں دیکھا تو اس کا اندراج نہیں کرنا تھا۔ حیرت ہے کہ مطبوعات غالب میں شامل کم از کم ۹ کتابوں کو دوبارہ متفرق ماخذ و مصادر کے تحت شامل کیا ہے۔ اتنے پرانے استاد کو کتابیات میں تعداد بڑھانے کا اتنا شوق نہیں ہونا چاہیے تھا۔

اشاریات و رسائل کے تحت نمبر ۱۲ کے مقالہ نگار کا نام ڈاکٹر عبد الودود لکھا ہے۔ قاضی عبد الودود لکھنا چاہیے تھا کیوں کہ وہ ڈاکٹر نہیں تھے، مر یعنی لمبے عرصے تک ضرور رہے۔ اسی طرح "نسخہ خواجہ تجزیہ و تحسین" میں ص ۸ کے آخر میں ڈاکٹر اسلوب احمد انصاری لکھا ہے، وہ بھی ڈاکٹر نہیں۔ لیکن اس اندراج کے ذمے دار مرتبین ہیں۔ زیر بحث نسخے میں کتابیات کے مزید ماخذ کے تحت امیر کبیر نواب شمس الامراکی دو قلمی کتابوں اور ملا معین الدین واعظ کاشفی کے مخطوطہ معارج النبوت کے شمول کو دیکھ کر تبسم کرنا پڑتا ہے جیسا کہ تحسین فراقی نے اپنے کتابچے میں ص ۵۸ پر لکھا ہے ان سے اور قصائد عجائب طبع اول سے کوئی حوالہ اور اقتباس نہیں دیا۔ میں ان میں قصائد عجائب کے متن اور اڈیشنوں نیز اپنی کتاب نثری داستانیں کو بھی شامل کروں گا یعنی مزید ماخذ کے آٹھ اندراجات میں سوائے نمبر ۳ کے بقیہ سب حشو ہیں۔

ڈاکٹر معین الرحمن حیات غالب کے اس مخطوطے کو محفوظ رکھ سکے اور دوسرے مخطوطات دیوان کی طرح اسے گم شدہ ہونے نہ دیا، اردو دنیا پر یہ ان کا بڑا احسان ہے۔ حرف آخر کے طور پر میں یہ کہوں گا کہ میرے بعض مشاہدات اور ڈاکٹر تحسین فراقی کے جملہ اعتراضات کے باوجود میں معین الرحمن کے اس کام کو اچھی تدوین کہوں گا۔ اسے مولانا عرشی کے نسخہ عرشی کے معیار سے نہ پرکھیے۔

~~~~~~~~~

بقیہ صفحہ ۱ سے آگے

وضع اصطلاحات کا معاملہ بہت اہم ہے۔ لیکن اس قدر مشکل نہیں، جس درجہ آج کل کے اہل قلم سمجھتے ہیں۔ اور علی الخصوص فلسفہ میں بہتر سے بہتر صحیح عربی الفاظ مل سکتے ہیں، بشرطیکہ تلاش کیے جائیں۔

آخر میں پھر اپنے عزیز دوست
~~~~~~~~~

کو مطمئن کر دیتا ہوں کہ ان کے مقصود کے لیے 'لذت و الم' پیشتر سے موجود اور یہ ہمہ وجوہ کافی و اکمل ہے۔ 'حظ و کرب' وغیرہ میں پریشاں نہ ہوں۔ جس کی نفسی کیفیات کے وضع و جس کا پورا مفہوم اسی سے ادا ہو سکتا ہے''۔

ہم نے عبدالماجد کا مضمون بغور پڑھا اور ان کے جواب اور جواب الجواب سے بالکل متفق ہیں۔ آزاد کی دلیلیں متوازن اور مستحکم نہیں ہیں۔ صحت زبان کا مسئلہ بڑا نازک اور اہم ہے۔ کسی صحیح لفظ کو غلط قرار دینا یا غلط لفظ یا محاورے کو درست بتانا زبان و ادب کے لیے خطرناک ہے۔ اگر آزاد استناد کی تلاش کرتے تو بہتر رہتا۔ اس پر طرہ یہ کہ وہ اپنے موقف پر پہاڑ کی طرح جمے رہے۔ انھوں نے غالب کا جو شعر پیش کیا اس میں "حظ" کے معنی فائدہ کے ہیں۔ عبدالماجد نے اپنے بیان کی تائید میں کتب لغت کا سہارا لیا اور آزاد کے اعتراض کا جواب خوشگوار اور عالمانہ لہجے میں اس انداز سے دیا کہ آزاد کو خاموش ہونا پڑا۔ اس دل چسپ بحث میں جو آزاد کی طرف سے مناظرہ کی حیثیت اختیار کر چکا تھا، اکبر الہ آبادی اور خدا بندہ از جونپور (غالباً مولوی عبداللہ عمادی، صحافی و مترجم دارالترجمہ حیدرآباد) نے بھی حصہ لیا تھا۔ اکبر نے انصاف کا حق ادا کر کے "حظ و کرب" کے صحیح معنی بتائے، جب کہ خدا بندہ نے دبے لفظوں میں آزاد کی حمایت کی۔ عبدالماجد نے جس طرح اپنے موقف کی وکالت کی وہ صد درجہ مستحسن اور قابل تعریف ہے۔ ہم ان کے وسعت مطالعہ کی داد دیتے ہیں۔ ان کا زیر نظر مضمون واقعی معرکہ آرا اور معلومات افزا ہے۔ مضمون طویل نہ ہوتا تو ہم اس کو یہاں نقل بھی کر دیتے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے صرف مضمون کے تنقیدی پہلو کو پیش کیا جس میں اڈیٹر 'الہلال' کا اعتراض اور مضمون نگار کا جواب شامل ہے۔ موصوف کا جواب 'حظ و کرب' یا 'لذت والم'؟' کے عنوان سے 'الہلال' بابت ۲۰ر اگست ۱۹۱۳ء (صفحہ ۱۳ اور ۱۴) میں شائع ہوا۔ عبدالماجد صاحب لکھتے ہیں،

(باقی آئندہ)

تلمیذ غالب میر مہدی مجروح

حیات اور تصانیف

ڈاکٹر محمد فیروز

قیمت: ۲۵۰ر روپے

اختر الایمان

عکس اور جہتیں

شاہد ماہلی

قیمت: ۳۵۰ر روپے

آزادی کے بعد اردو نثر میں

طنز و مزاح

نامی انصاری

قیمت: ۱۵۰ر روپے

معروف جاپانی صنف سخن ہائیکو پر ایک معیاری علمی، ادبی اور تنقیدی جریدہ

ہائیکو ورلڈ

مرتبین: ساحر شیوی، سید معراج جامی

پہلا شمارہ شائع ہو گیا ہے۔

ضخامت: ۱۳۴ صفحات، قیمت: ۵۰ر روپے

۵۰ر روپے کا منی آرڈر بھیج کر رسالہ منگوایا جا سکتا ہے۔

رابطہ: ہائیکو ورلڈ، پوسٹ بکس نمبر 17667

کراچی - 75300

ستاروں سے ذروں تک

جگن ناتھ آزاد

(چھٹا ایڈیشن)

قیمت: ۷۰ر روپے

مولوی عبدالحق

ادبی اور لسانی خدمات

(دو جلدیں)

ڈاکٹر خلیق انجم

قیمت: ۱۵۰ر روپے

علی گڑھ کی علمی خدمات

پروفیسر خلیق احمد نظامی

قیمت: ۵۵ر روپے

قطعے اور رباعیاں

(دیوناگری رسم الخط)

رشید حسن خاں

قیمت: ۳۶ر روپے

ہم سے طلب کیجیے!

جدید ترین شعری، افسانوی اور تنقیدی ادب سے متعلق

ادارہ 'نیا سفر' کی مطبوعات

۱- گل نغمہ	فراق گورکھپوری	۲۰۰/=
۲- گنو دھول	سید محمد عقیل	۲۰۰/=
۳- جدید ناول کا فن	سید محمد عقیل	۱۵۰/=
۴- شام دھنک رنگ (شعری مجموعہ)	سید محمد عقیل	۲۰۰/=
۵- حرف حرف جنوں (شعری مجموعہ)	سید عاشور کاظمی	۲۰۰/=
۶- نمک (ناول)	اقبال مجید	۱۰۰/=
۷- کسی دن (ناول)	اقبال مجید	۸۰/=
۸- اردو ناول کا سماجی اور سیاسی مطالعہ	صالحہ زریں	۲۵۰/=
۹- جوش - نئے تناظر میں	علی احمد فاطمی	۱۰۰/=

کلام اقبال میں قرآنی آیات، احادیث اور مذہبی اصطلاحات کا جائزہ

محمد منظور عالم

قیمت: ۸۰ر روپے

رجب علی بیگ سرور

چند تحقیقی مباحث

حنیف نقوی

قیمت: ۳۵ر روپے

انجمن ترقی اردو (ہند) کی چند مطبوعات

گلکاری وحشت کا شاعر: مجروح	خلیق انجم	۲۳۰/=
سحر البیان (میر غلام حسن حسن دہلوی)	رشید حسن خاں	۳۲۵/=
مسائل تصوف	میکش اکبر آبادی	۸۵/=
بیسویں صدی کی ممتاز شخصیت پروفیسر خواجہ احمد فاروقی	خلیق انجم	۱۰۰/=
غالب کا فن	عبدالمغنی	۵۰/=
مثنوی لخت جگر	ارجمند آرا	۱۶۰/=
توقیعِ غالب	ڈاکٹر کاظم علی خاں	۱۰۰/=
آصف علی اور ارونا آصف علی	خلیق انجم	۳۵۰/=
اشاریہ غالب	شمیم جہاں	۵۰/=
مثنویات شوق	رشید حسن خاں	۱۳۰/=
شبلی کی علمی و ادبی خدمات	خلیق انجم	۱۵۰/=
جوش ملیح آبادی - تنقیدی جائزہ	خلیق انجم	۱۰۰/=
رائی بنی نرائن دہلوی (سوانح و ادبی خدمات)	ڈاکٹر حنیف نقوی	۷۰/=
سردار پٹیل اور ہندوستانی مسلمان	ڈاکٹر رفیق زکریا	۱۰۰/=
میر کی آپ بیتی	پروفیسر نثار احمد فاروقی	۱۳۵/=
قطعے اور رباعیاں (دیوناگری رسم الخط)	رشید حسن خاں	۳۶/=
انتخاب خطوط غالب (دیوناگری رسم الخط)	خلیق انجم	۳۰/=
پروفیسر مسعود حسین خاں (ایک جامع حیثیت شخصیت)	خلیق انجم	۵۰/=
انتخاب کلام جگن ناتھ آزاد (تیسرا ایڈیشن)	پروفیسر جگن ناتھ آزاد	۵۰/=
دبستان مومن	ظہیر احمد صدیقی	۶۰/=
اقبال کا حرف تمنا	شمیم حنفی	۷۰/=

ہم سے طلب کیجیے!

سہ ماہی فکر و آگہی، دہلی کا

علی گڑھ نمبر

سرسید تحریک اور علی گڑھ سے متعلق بیش بہا مضامین پر مشتمل علی گڑھ نمبر ایک تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے جس میں سرسید کی حیات، افکار، خدمات اور نظریات۔ علی گڑھ تحریک، تعمیرات اور ادبی خدمات۔ اور یادیں جیسے عنوانات قائم کر کے علی گڑھ تحریک اور یونیورسٹی پر بھرپور روشنی ڈالی گئی ہے۔

ضخامت: ۱۰۰۰ صفحات ——— قیمت: ۵۰۰ر روپے

چشم دروں

ڈاکٹر شہپر رسول

قیمت: ۱۲۵ر روپے

انگلیاں فگار اپنی

زبیر رضوی

قیمت: ۷۵ر روپے

دوسری قسط

تمل ناڈو میں اردو افسانہ نگاری

علیم صبا نویدی (۲۶-امیر النساء بیگم اسٹریٹ ماؤنٹ روڈ مدراس-۶۰۰۰۰۲)

عابد معزی (ولادت ۱۹۳۸ء)

عابد معزی کا نام تمل ناڈو کے افسانوی ادب میں سر فہرست نہ سہی لیکن انھوں نے دیکھتے ہی دیکھتے قلیل مدت میں ترقی کے مراحل تیزی سے طے کیے۔ عابد معزی کے افسانے "بیسویں صدی"، "نیا دور" اور دوسرے متعدد رسائل میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ جمالیاتی عنصر ان کے افسانوں میں زیادہ پایا جاتا ہے مگر اسی کے ساتھ زندگی اور کائنات کے سلسلے میں عمق کا فقدان ہے۔ نہ انھوں نے جدیدیت کو اپنایا ہے اور نہ ان کا زاویۂ نگاہ رجعت پسندی سے تعلق رکھتا ہے۔ میانہ روی ان کی تخلیقات کی اہم خصوصیت ہے۔ اگر وہ برابر لکھتے رہیں اور رومانیت سے قطع نظر عصری تقاضوں، سماجی قدروں اور نئی کروٹوں کو بھی اپنی تخلیقات میں سمونے کی کوشش کریں تو یقین ہے کہ افسانوی ادب کی تاریخ میں اپنا ایک مقام پیدا کر لیں گے۔

کاظم نائطی (ولادت ۱۹۳۸ء)

آپ تمل ناڈو کے نغز گو شاعر اور افسانہ نگار ہیں۔ آپ کے اکثر افسانوں کے پلاٹ نئے نئے سے ہیں اور پیش کرنے کے انداز میں تیکھا پن اور چونکا دینے والے نقوش ملتے ہیں۔ وہ آج کے افسانوی ادب کا خاصہ ہیں۔ آپ نے شاعری کی طرح افسانوں کو بھی یکسوئی اور اپنائیت کے ساتھ برتنے اور برتنے کی بھی کوشش نہیں کی۔ ہمیشہ تساہل سے کام لیا ہے ورنہ آپ کی شخصیت اور فن آفاق گیر شہرتوں کا منبع ہوتے۔

ظہیر آفاقی (ولادت ۱۹۴۰ء)

آپ ہرفن مولا ہیں۔ اردو زبان کے مختلف میدانوں میں اپنی شناخت قائم کرنے کی سعی کی ہے مگر اردو افسانہ نگاری کی فضا آپ کو بے حد راس آئی اور اسی میدان میں آپ کو بہت نمایاں مقام اور شہرتیں نصیب ہوئیں۔ آپ نے اردو افسانے کو بھی اپنی صلاحیتوں کا مظہر بنایا۔ آپ کے اکثر و بیشتر افسانے روحانی خوشبوؤں سے معطر ہیں۔ وہ جذبہ جو فن کار کو آفاقی حدوں تک اٹھاتا ہے، اس کا آپ کے ہاں فقدان ہے۔ اگر آپ اپنے محدود حلقے سے اونچا اٹھیں اور اپنی سوچوں کی لہروں کو افق کی طرف اچھالیں تو یقیناً آپ کو جو منزل ملے گی وہ نہ صرف پر بہار ہوگی بلکہ نور آور بھی ہوگی۔

حسن فیاض (ولادت ۱۹۴۱ء)

حسن فیاض اس نسل سے تعلق رکھتے ہیں جس پر ہر اعتبار سے جدیدیت کا اطلاق ہوتا ہے۔ ابتدا ہی سے ان کا رجحان جدیدیت کی طرف رہا ہے۔ انھوں نے نظموں اور افسانوں میں علائم کو خوش اسلوبی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ خوشی کی بات یہ ہے کہ انھوں نے اپنی تخلیقات کو معمہ نہیں بنایا۔ ابلاغ کے سلسلے میں ان کی کوششیں ہمیشہ راست باز رہی ہیں۔ ان کی تخلیقات کے کردار ہمارے ہی اپنے سماج کے چلتے پھرتے، سانس لیتے، سسکتے، مسکراتے اور سسکتے ہوئے انسان ہیں۔ ان کے افسانوں میں سپاٹ پن کے عنصر نے کبھی جگہ نہیں پائی۔ حسن فیاض کی تخلیقات کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے زندگی اور سماجی مسائل کو جس طرح سنجیدگی کے ساتھ سوچا اسی طرح انھیں فن پارے کا روپ بخشا۔

موصوف نے اپنا افسانوی مجموعہ ترتیب دے دیا ہے۔ اگر یہ مجموعہ منظر عام پر آئے گا تو یقیناً ان کی فکری جلوہ گری، فن کارانہ بلند پروازی اور آج کے عصری تقاضوں اور نئی آگہی کا آئینہ دار ثابت ہوگا۔

غیاث اقبال

(ولادت ۱۹۴۳ء، وفات ۱۹۹۲ء)

غیاث اقبال کا ہر افسانہ پلاٹ کے اعتبار سے بالکل نیا ہونے کے علاوہ آج کی آگہی سے بہت زیادہ میل کھاتا ہے۔ ان کے یہاں کرداروں کے پیش کرنے کا ڈھنگ بھی بڑا چونکا دینے والا ہوتا ہے۔ انھوں نے افسانے کو نئے زاویے دینے کی بھرپور کوشش کی ہے۔

محمد فیاض حسین (ولادت ۱۹۴۳ء)

محمد فیاض حسین بمقام مدراس ۱۹۴۳ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۶۰ء سے ۱۹۶۸ء تک فیاض یہاں کی ادبی محفلوں اور شعری نشستوں کی کاروائی میں ہمارے (راز امتیاز، کاوش بدری، ادیب بھارتی، انور ربانی، حسن فیاض، علیم صبا نویدی، نثار رضوی، صلاح الدین برق اور فضل جاوید) ہم سفر رہے۔ انھوں نے شاعری سے زیادہ نثر کی طرف توجہ دی، بالخصوص افسانوی ادب میں ان کی شناخت آج بھی محفوظ ہے۔ زندگی کے روزمرہ مسائل اور ان مسائل سے جنم لینے والی اچھائیوں اور برائیوں کو اپنے مختصر ترین افسانوں میں بڑے اچھے اور تیکھے انداز میں منعکس کرنے کے فن سے فیاض بخوبی واقف ہیں۔ اگرچہ انھوں نے بہت کم افسانے لکھے ہیں لیکن جتنے بھی لکھے ہیں وہ تمل ناڈو کے اردو افسانوی ادب میں ناقابلِ فراموش ہیں۔

فیاض نے وکالت کو پیشہ اختیار کرنے کے بعد اردو ادب سے مستقل طور پر کنارہ کشی اختیار کر لی۔ میں یہی کہوں گا کہ اگر فیاض حسین، صلاح الدین برق اور فضل جاوید جیسے جینیس فن کار دوبارہ ادب کی طرف رجوع کریں تو یقیناً ان کے تخلیقی جواہر پارے تمل ناڈو کے اردو ادب میں اضافہ ثابت ہوں گے۔

امین الماس

حضرت دانش فرازی کی سرپرستی اور رہبری میں ابھرنے والی نئی نسل میں علیم صبا نویدی، حسن فیاض، آذر بیابانی اور سہیل راشد کے ساتھ ساتھ امین الماس کا نام تمل ناڈو کے ادبی نقشے میں ہمیشہ روشن رہے گا۔ امین نے اپنی ادبی زندگی کا آغاز افسانہ نگاری سے کیا تھا۔ اچانک فکر و اظہار نے اپنی کروٹ بدلی تو موصوف نے بہت سارے تنقیدی مضامین لکھے۔ دکھ تو اس بات کا ہے کہ انھوں نے اپنے ادبی سرمایے کی بھی حفاظت نہیں کی اور یکسوئی کے ساتھ ادب کی طرف مائل نہیں رہے۔

صلاح الدین برق (ولادت ۱۹۴۳ء)

صلاح الدین برق کی شخصیت ست رنگی دھنک کی حیثیت رکھتی ہے۔ میں ہمیشہ یہ محسوس کرتا ہوں کہ انھیں شاعر ہونا چاہیے تھا یا ہیرو۔ لیکن انھوں نے اپنے وجود کے اندر چھپے ہوئے ہیرو کو مختلف رنگ و آہنگ اور مختلف روپ میں اپنی تخلیقات کے اسٹیج پر لا کھڑا کیا ہے۔ ان کی طبیعت کی برقِ رو تخلیق کی آگ میں تپ کر سنجیدگی کی فضا میں سانس لینے لگی ہے۔ انھوں نے اب تک اردو ادب کو جو کچھ دیا ہے ادب کا مورخ اسے نظر انداز نہیں کر سکتا۔ خلیل جبران سے صلاح الدین برق کی روحانی وابستگی اور فکری ہم آہنگی کا زندہ ثبوت ہے۔ خلیل جبران کی تخلیقات نے ہمیشہ ان کے احساس کے دروازے پر دستک دی ہے۔ ان کے یہاں حقائق کے ماحول میں جو ہوائی کیفیت ملتی ہے وہ انسان کو تلاشِ ہستی کی گرہ کشائی پر مجبور کر دیتی ہے۔ صلاح الدین برق کی جبران سے وابستگی ان کے زاویۂ نظر کو واضح کرتی ہے۔ ان میں ابھرنے کے اچھے امکانات ہیں۔ امید ہے کہ زندگی کے کسی موڑ پر بھی وہ ان امکانات کی چمک کو کم کرنے کی بھولے سے بھی کوشش نہیں کریں گے۔

فضل جاوید (ولادت ۱۹۴۵ء)

فضل جاوید نے اگرچہ بہت کم لکھا لیکن اتنا ضرور لکھا ہے کہ ہم انھیں بحیثیت افسانہ نگار فراموش نہیں کر سکتے۔ ان کے افسانوں میں طنز و مزاح کا لطیف عنصر پایا جاتا ہے جو انھیں احمد جمال پاشا سے قریب کر دیتا ہے۔ جذبات کا ہیجان متوازن صورت میں ان کی تخلیقات کا جزبنتا ہے۔ تمل ناڈو کے دوسرے افسانوی مجموعے "روشنی کے جھنڈ" میں فضل جاوید کی تخلیقات بھی جگہ پا چکی ہیں اور ان کی تخلیقی صلاحیت کو تمل ناڈو کے سمجھے ہوئے فن کاروں نے بھی سراہا ہے۔

یعقوب اسلم (ولادت ۱۹۴۵ء)

یعقوب اسلم کے افسانوں کی زبان نہایت صاف، شیریں، شگفتہ اور رواں دواں ہے۔ عبارت میں کہیں جھول نظر آتا ہے نہ کہیں اظہار علمیت۔ چھوٹے چھوٹے جملوں میں بڑے پتے کی باتیں نہایت آسانی کے ساتھ کہہ جاتے ہیں۔ ان کے افسانوں کو پڑھنے کے بعد قاری کو الفاظ کی بھول بھلیوں اور علائم کی تاریک اور نا آشنا گلیوں میں بھٹکنے کی ضرورت نہیں پیش آتی۔ ان کا افسانوی مجموعہ 'چہروں کی دیوار' مطبوعہ ۱۹۸۶ء فخر الدین علی احمد میموریل کمیٹی لکھنؤ کی مالی اعانت سے منظر عام پر آچکا ہے۔ ان کے افسانے رسالہ آجکل، بیسویں صدی دہلی اور روزنامہ سالار، پاسبان بنگلور میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔

نورس خیالی

نورس خیالی نے شہر مدراس میں سب سے پہلے جاسوسی افسانوں کی بنا ۱۹۶۰ء میں رکھی۔ موصوف نے رومان پرور جاسوسی افسانے بہت زیادہ لکھے جو بالالتزام ہفت روزہ 'قلم دلیل' مدراس میں شائع ہوتے تھے۔ ان کا ایک جاسوسی ناول بھی دہلی سے چھپ چکا ہے۔ شاعری کی طرف مائل ہو کر انھوں نے افسانوی ادب کو خیرباد کہہ دیا ہے۔

(باقی آئندہ)

ایڈیٹر: **خلیق انجم**

پرنٹر، پبلشر: شاہد خاں | مطبوعہ: شمر آفسٹ پرنٹنگ پریس، نئی دہلی

مالک: انجمن ترقی اردو (ہند) اردو گھر، ۲۱۲-راؤز ایونیو، نئی دہلی-۲

قیمت (فی شمارہ) ڈیڑھ روپیہ | سالانہ ۷۰ روپے (بیرونی ممالک ۸ امریکی ڈالر)

Phones: 3237210,3236299 Fax: 011-3239547